تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

★

تم سختی کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ بگڑنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک بڑا ڈول پانی کا بہادو اور تم سختی کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو۔ اس لئے بھیجے گئے ہو کہ آسانی پیدا کرو۔

(بخاری)

★

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون معید الاعظمی ندوی

★

۲۸ صفر و ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ
مطابق ۲۵ اپریل و ۱۰ مئی ۱۹۷۱ع

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ○ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd No. L 1951
FORTNIGHTLY
Phone 22948

TAMEER - E - HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مُعلّم الانشاء

(از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی)

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و تبلیغی زندگی نے بھی اس کو مزید اہم کر دیا ہے، دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے رابطہ و تعلق نے اس کو اجتماعی و ادبی ہی نہیں ملی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کر سکے اور عربی مدارس میں تعلیم انشاء کا نصاب بن سکے۔

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

اَلْاَدَبُ الْعَرَبِی

بین عرض و نقد

(از مولانا سید محمد رابع ندوی۔ ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔
اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔
ادب کی حقیقت ☆ تنقید و تجزیہ ☆ ادبی نمونے
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

دہلی اور اسکے اطراف

(از مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء)

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، عمیق اور پختہ تھا۔ آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، تاریخ کی واقفیت، مسائل تصوف اور اس کی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے سلف اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد [illegible]

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی

(از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی)

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت [illegible]

جزیرۃ العرب

(از مولانا محمد رابع ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء)

جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اہمیت تاریخ و ادب کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیسا تھ اس کی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow.

۲۸ صفر و ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ
مطابق
۲۵ اپریل و ۱۰ مئی ۱۹۷۱ء

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی کاپی ۳۵ پیسے

جلد ۸ شمارہ ۱۲ و ۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت محمدیؐ کا اعجاز!

محمد الحسنی

سیرت محمدی ملت ابراہیمی اور ملت محمدی کی تاریخ کا ایک ایسا درخشاں عنوان ہے جس نے اس کو انسانیت کی برادری میں ایک بے مثال و لازوال مرتبہ عطا کیا ہے، اس پاک سیرت، حیات طیبہ، اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم کے جمال و کمال اور اس کی ابدیت و عمومیت کا راز اس کا اعجاز ہے اس کا ہر پہلو معجزہ ہر رخ شاہراہ ہدایت اور اس کا ہر موڑ جادۂ و منزل ہے۔

اس کی حقانیت و صداقت کے لئے بہت دور دور جانے اور زیادہ دقیقہ ریزی اور تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں، اس کے جس شعبہ جس گوشہ اور جس پہلو پر نظر ڈالی جائے گی' معلوم ہو گا کہ تنہا یہی شعبہ آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل اور آپ کا سب سے بڑا امتیاز و اعجاز ہے۔

داخلی شہادتوں کے سوا اگر ہم خارجی دنیا پر نظر ڈالیں تو اس میں بھی جا بجا شہادتیں ملیں گی۔!

وہ کون ہے جس کی یاد اتنے بڑے پیمانہ پر اتنی عقیدت کے ساتھ اتنی عمومیت کے ساتھ اتنے انتظار و اشتیاق کے ساتھ منائی جاتی ہو۔ کون ہے جس پر اتنی کثرت سے اور اتنی عقیدت و عظمت کے ساتھ درود و سلام بھیجا جاتا ہو۔

جس کی سیرت' حالات' اور اخلاق پر اتنا زبردست کتب خانہ بلکہ اس کے صرف آخری حج کے حالات پر ایسی عظیم و بلند پایہ کتابیں لکھی جا چکی ہوں اور لکھی جا رہی ہوں جس کے ایک ایک قول اور فعل بلکہ ایک ایک ادا تاثر اور کیفیت کی تشریح و تفصیل ائمہ اسلام اور علمائے سلف نے اپنی عمریں صرف کی ہوں اور اس کے لئے اپنے سارے آرام و راحت کو ہمیشہ کے لئے تج دیا ہو۔

جس کی صداقت اور عظمت پر انسانوں کے اتنے بڑے گروہ کا ہمیشہ اتفاق و اجتماع رہا ہو جس کا ذکر کروڑوں انسان دن میں پانچ مرتبہ ضرور کرتے ہوں جس کی محبت انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کے دل میں جاگزیں اور نقش ہو جس کے لئے نعت و سلام کا اتنا بڑا ذخیرہ تیار ہو چکا ہو کہ اگر اس کو اکٹھا کیا جائے تو پوری لائبریری تیار ہو جائے جس کے حالات و واقعات سے اتنی کثرت سے استنباط کیا گیا ہو اور اس کی روشنی میں پورا اسلامی قانون تیار کیا گیا ہو۔

جس نے زندگی کی ہر ضرورت کے لئے (خواہ وہ کیسی ہی نجی اور چھوٹی ہو) پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہوں۔

لشکروں کی روانگی، شاہان عالم کے نام خطوط اور بیرونی وفود سے ملاقاتوں سے لے کر نہانے دھونے کھانے پینے اور طہارت و استنجا کے تمام معاملات میں جس نے یکساں طریقہ پر انسانوں کی اپنے قول و عمل سے رہنمائی کی ہو۔

جس کی دعائیں نہایت مکمل جامع اور حیرت انگیز ہوں اور زبان حال سے خود کہتی ہوں کہ ایسی دعائیں کرنے والا اور انسانی ضروریات سے ایسی واقفیت رکھنے والا آپ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

غرض زندگی کا کوئی شعبہ ہو اور انسانوں کی کوئی ضرورت، ہو حضورؐ کی تعلیم کا اعجاز ہر چیز سے نمایاں ہے اور اس کا ہر حرف آپ کی حیات طیبہ کا ایسا عنوان ہے جو حق و صداقت کی راہیں ہمارے سامنے کھول دیتا ہے اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سیرت کا یہ اعجاز صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام نسلوں کے لئے ہے، یہ آفتاب کی طرح سب پر تاباں و درخشاں اور اس سے زیادہ عالمگیر اور نفع رساں ہے لیکن ان کے لئے جن کے دل پر مہر نہیں لگ چکی اور جو دل کی بینائی سے یکسر محروم نہیں، جن کے اندر فطرت انسانی کی کچھ نمود انسانیت کی کچھ رمق اور شرافت اور احسان شناسی کو کچھ اضطراب بھی باقی ہو۔

وہ مسلمان جو دوسری قوتوں کے اثر میں آ کر اپنے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں سے بے خبر ہوتے جا رہے ہیں، اور احساس کمتری کا خواہ مخواہ شکار اور ذہنی انتشار میں گرفتار ہیں ان کو چاہیے کہ وہ پریشان خیالی اور بدحواسی چھوڑ کر نظر ڈالیں، للچائی ہوئی نظروں سے غیروں کی طرف نہ دیکھیں اپنے کو سرا پا شفقت سرا پا رحمت اور خیر و برکت ہستی کے سامنے ہو ان کے لئے یہ شرف بس ہے کہ وہ ان کی امت میں ہیں، ضرورت بس طرف کی ہے کہ ان کا تھوڑا سا پرتو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور یقین رکھیں کہ اسوۂ حسنہ کا ایک ہلکا سا عکس بلکہ اس کا ایک ذرہ ہماری تقدیر بدل دینے کے لئے کافی ہے۔ اخلاص اور تجربہ شرط ہے۔

قرآن کا پیام

(مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمھیں کچھ علم تھا سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں (کچھ بھی) علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے بیشک ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں (جو ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے، اہل کتاب میں سے ایک گروہ تو یہی چاہتا ہے کہ تمھیں گمراہ کر کے رہیں حالانکہ وہ بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اس کی بھی) خبر نہیں رکھتے۔ اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو، اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کئے جاتے ہو اور حق کو چھپا جاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو۔

یعنی اسی دین ابراہیمی سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں جھگڑتے اور لیا جھگڑے، حالاں کہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمھیں حاصل تھا تو اب دین ابراہیمی کے بارے میں کیوں کٹ حجتی برتتے ہو جس کے بارے میں تو شائبۂ علم بھی تمھیں حاصل نہیں۔

ھآنتم۔ میں ھا کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر و تنقیص کے لئے ہے۔

(بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے اور دنیائے شرک میں توحید کے پہلے علمبردار۔)

حنیفا مسلما۔ ٹھیٹھ اردو میں سیدھے سادھے مسلم۔

یہودیا و لا نصرانیا۔ جس یہودیت اور جس نصرانیت کی تعلیم ہو رہی ہے وہ رواج پائی ہوئی گڑھی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ کا تھا وہی حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا حضرت ابراہیمؑ کی حنیف پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلم تھی۔

[illegible]ئے مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے [illegible] کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور باطل کے [illegible] دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

[illegible]یا اور آخرت دونوں میں۔)

[illegible]لی الناس بابراھیم۔ ابراہیم سے قریب [illegible]ین و عقائد کے۔

[illegible]ذین اتبعوہ۔ وہ لوگ جنھوں نے آپ کے زمانہ میں آپ کی پیروی کی تھی۔

وھذا النبی۔ اور یہ نبی جو گویا انہی کا پیام لے کر آئے ہیں اور انہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔

والذین امنوا۔ یعنی مسلمان فرنگی مورخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور روم کی جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہو گئے ہیں، بلکہ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو "مورخین کی تاریخ عالم" (Historians' History of the World.)

روایتوں میں آیا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انھیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود تو اسلام قبول کرنا الگ رہا مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے ــــ آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جیتی جاگتی موجود ہے کہ مسلمان خواہ مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں لیکن اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔

طائفۃ من اھل الکتاب۔ خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔

یضلونکم۔ خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔

ما یضلون الا انفسھم۔ یعنی حقیقتاً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب تو ہوتے نہیں، خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں

ما یشعرون۔ یعنی ایسے بے عقل و فہم ہیں کہ حقیقت حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔

(ان کی واقعیت و صداقت کے لئے)

بآیت اللہ۔ یعنی اللہ کی ان آیتوں سے جو خود تمھاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن پر نبوت محمدی کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔

وانتم تشھدون۔ یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں، جان بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔

یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں۔

۱۔ تلبسون الحق بالباطل۔ اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق ــــ باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے۔ باطل کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے۔

۲۔ تکتمون الحق۔ حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہور اسلام کی صاف موجود ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔

۳۔ وانتم تعلمون۔ یہ سب کچھ اپنے قصد و ارادہ سے کر رہے ہو محض اتفاقی طور پر نہیں ہو رہا ہے۔

آخری قسط

صراطِ مستقیم

(از حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ)

ان حضرات کی تواچھی نیکیاں ہوں گی انشاءاللہ کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور شاید ان کو یہ درجہ حاصل ہو فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ مگر ہم قلیل البضاعت، سرمایۂ عمل سے خالی ہیں اگر ایسے کلمات اور ایسے خیالات رکھیں گے تو بہت نقصان کا باعث ہوگا۔ اس لئے ان امور پر توجہ ڈالنا اور ادھر خیال کرنا اہم ضروریات میں سے ہے۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (مائدہ رکوع) ترجمہ: بری بات کو زور سے کہنا اللہ پسند نہیں کرتا مگر اس شخص کے لئے جو مظلوم ہے۔

آیت مبارک ہمیں منع کر رہی ہے روک رہی ہے کسی کی برائی ظاہر کرنے سے، سوائے مظلومیت کی حالت کے، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے عیوب اور لغزشیں ہم مجلسوں میں بیان کریں اور تحریروں میں لاکر اپنے اعمال اور برکات کو ضائع کردیں۔

خود غور فرمالیں، اور یہ تحریر کردہ ارشاد باری تعالیٰ کو ملاحظہ فرما لیں کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (حجرات رکوع ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو نہ مذاق اڑائے تم میں سے کوئی کسی دوسری قوم کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں دوسری عورتوں کا کہ شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عیب لگاؤ آپس میں اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام بھی برا ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اے ایمان والو بچو بہت سے گمانوں سے کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔ کیا اس بات کو تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اگر کسی سے کوئی لغزش قول، فعل یا تحریر میں ہوئی ہے تو اس کو وہیں رفع دفع کر دینا چاہیے اور اگر ہو سکے تو باحسن وجوہ اس کو آگاہ کر دیں ورنہ سکوت اختیار کرنا بہتر ہے دل اور دماغ میں اس کو جگہ نہ دینا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے برائی کو دور فرمائے۔ اخوت اسلامی کا رشتہ کسی بھی حالت میں اور کسی بھی موقع پر ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ (حجرات رکوع ۱) ترجمہ: بیشک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیے اور اس کی برائی کو اپنی برائی خیال کرنا چاہیے عیبوں کی تلاش اور تجسس کرنا تو بہت ہی زیادہ بری بات ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (حجرات رکوع ۲) ترجمہ: اور تجسس مت کیا کرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو کیا اس بات کو تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

یہ بہت بری بات ہے اور اس سے ہمارا ظاہر و باطن کو نقصان پہنچے گا۔

اگر کسی مسئلہ میں اختلاف پڑے اور ایک جانب سراسر غلطی ہو تو اس کو ایسے بہتر طریقہ پر ظاہر کریں کہ مخاطب کی اس سے دل آزاری نہ ہو بلکہ اصلاح ہو اور مناسب الفاظ میں تردید ہو سکتی ہے مثلاً یوں تحریر میں آسکتا ہے کہ ہماری کوتاہ معلومات اور ناقص علم کی رسائی اس مسئلہ کو اس طریقہ پر سمجھتی ہے اگر اس تحریر میں کوئی سقم ہو تو مخاطبین دور کریں ایسا نہ ہو کہ بہت جلد کفر کے فتوے ہونے لگیں اور الزامات بیجا مقابلہ میں لاکر رشتہ جانبین کا سبب بن جائے۔ ہر طریقہ سے الفت کو مستحکم بنانے کی کوشش کرنا چاہیے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور الگ نہ ہو۔ اس فرمان خداوندی پر ہم کو ہر وقت اور ہر عمل میں پابند رہنا ضروری ہے۔ ان امور سے انشاءاللہ ظاہر کی درستی کے علاوہ باطن کی بھی اصلاح ہوگی

بذلِ نفس اور بذلِ نفیس :-

پھر اس ارشاد مبارک پر عمل کرنا بھی موجب فوائد کثیرہ اور ترقی درجات کا سبب ہوگا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ ترجمہ: تم اس وقت تک ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اب اس پر غور فرمائیے کہ کیا کیا چیزیں ہم کو مرغوب اور محبوب ہیں جس طرح مال و اسباب نقد و جنس وغیرہ ہم کو مرغوب و محبوب ہیں۔ اسی طرح جوانی، تندرستی اور اعضائے ظاہری و باطنی ہم کو بہت زیادہ عزیز اور مرغوب ہیں۔

اللہ جل شانہ کے پاس قرب اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اللہ کی رضا و رغبت میں صرف کرنے کی امکانی کوشش کی جائے۔

اپنے وابستہ اور گھر والوں کو بھی اس طرف ترغیب و تحریص دلانا لازم ہے کہ شعور اور تمیز پیدا ہوتے ہی تمہاری یہ کوشش ہونا چاہیے کہ تم اپنے اعضائے ظاہری اور باطنی کو اللہ کی رضا اور رغبت میں مصروف کر کے اپنی بہبودی و نجات اور فلاح حال و مستقبل حاصل کرو تاکہ درجات حاصل ہوں جس کے لئے اللہ نے تمہاری تخلیق فرمائی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں اور اوائل عمری اور ابتدائے شعور میں جو چیزیں ذہن نشین ہو جاتی ہیں اور ان چیزوں کا عادی اور عامل ہو جاتا ہے۔ آئندہ انھیں سے ثمرات اور برکات حاصل ہونا ممکن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خواہش نفسانی اور حصول فانی میں یہ دولت لازوال صرف ہو کر آئندہ خسارہ اور نقصان سے دوچار ہونا پڑے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں نتائج میں جاکر بڑے بڑے نقصان اور خسارہ کا باعث بن جاتی ہیں اذہان خیالات اور جذبات کو جس طرف لے جائیں یا وہ خود جس طرف راہ لیں وہ اسی رنگ اور اسی کیفیت سے متکیف ہو جاتے ہیں جس طرف ان کو راستہ ملتا ہے۔ پھر ان راہوں سے روکنا ان کیفیتوں سے منتقل کرنا دشوار ہو جاتا ہے جس کے یہ خوگر ہو چکے ہیں وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے انسان کے لئے دونوں راہوں کو واضح کر دیا ہے۔ بس مناسب یہ ہے کہ اول

(باقی صـ۲۳ پر دیکھیے)

معاشرہ کی اصلاح کیلئے زندہ کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے!

از مولانا عبدالباری ندوی

جب تک کاغذی کتابوں کے ساتھ اور ان سے زیادہ ایمان و عمل کی زندہ انسانی کتابوں کے مطالعہ کا انتظام نہ ہوگا اس وقت تک نہ انسانیت پیدا ہو سکتی ہے نہ دین۔

نہ کالج سے نہ کتابوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے

ایک کالج جس کے پرنسپل آج کل ایک پرانے دوست ہیں، جو عمر بھر تعلیم اور تعلیمات ہی کے محکمے کے مختلف تعلیمی و انتظامی خدمات میں رہے انھوں نے طلباء کے "کیرکٹر کی تعمیر" کی تدبیر یہ نکالی ہے کہ مختلف اماموں کے نام سے کالج کو مختلف ٹولیوں یا دستوں (تربیتی بیوت) میں تقسیم کر دیا ہے مثلاً بیت علوی، بیت حسنی، بیت حسینی وغیرہ اور ہر بیت کو کالج کے مختلف اساتذہ کی نگرانی میں دے کر یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ ان حضرات آئمہ کی سیرت کو پیش نظر رکھ کر طلباء کی سیرت سازی فرمائیں گے۔ مگر ان بیوت کے قیام کے بعد بھی طلبہ کی سیرت ملاحظہ ہو۔ کہ قریب کے باغ میں گھس جاتے ہیں اور زبردستی امرود توڑ توڑ کر کھا لیتے ہیں۔ دوکانداروں سے کھانے پینے کی چیز قرض لیتے ہیں اور ادا نہیں کرتے راستہ گلی میں عورتوں کی تاک جھانک چھیڑ چھاڑ فقرہ بازی تو گویا تعلیم جدید کے نوجوانوں کا تفریحی حق ہے۔ ایک دن پرنسپل صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کتابی تعلیم کی طرح کتابی بیوت سازی یا حضرات آئمہ کی سیرت خالی پڑھنے پڑھانے سننے سنانے سے سیرت سازی نہیں ہوتی، اس کی تو فقط ایک ہی تدبیر ہے کہ خود آپ اور آپ کے اساتذہ کی زندگی میں حضرات ائمہ کی پاک سیرت جلوہ گر ہو، اور آپ کی زبان سے زیادہ آپ کی زندگی اس سیرت کی ترجمان ہو۔ ورنہ پھر یہی 'پڑھے لکھے جاہل' جب ملک و سماج کی زندگی میں داخل ہوتے اور زندگی کی ذمہ داریاں ان کے سپرد ہوتی ہیں، تو سب سے بڑی مصیبت اس دنیا کی زندگی اور ملک و سماج میں ان ہی کا وجود ہوتا ہے جس کا تماشہ آج ہندوستان و پاکستان ہر جگہ دیکھا جا رہا ہے کہ حکومت کا کوئی ترقی کا کوئی تجویز کوئی قانون اس تعلیم جدید کے عمال و حکام سے لے کر وزراء تک کی بد دیانتی و رشوت ستانی کی روک تھام کے لئے مستقل محکمے قائم ہوتے ہیں لیکن یہ نتیجہ اور کیوں نہ بے نتیجہ ہوں اسلئے کہ رشوت ستانی کے روکنے والے رشوت ستان خود غرضی و ہوسداری کی ... کا حساب نہیں ہونے پاتا۔ بد دیانتی اور رشوت ستانی

کہاں سے آئے، یہ تو حکومت کے اندر کا لاعلاج روگ ہے۔ حکومت کے باہر ملک میں ... فساد انہیں ناتعلیم یافتہ پڑھے لکھے چھوٹے بڑے لیڈروں کی ذات سے برپا ہے۔ وہ کیا ان کے باہمی نفاق و شقاق اور عوام کو مال و جاہ کی ذاتی خودغرضیوں کا آلۂ کار بنانے کے سوا کسی اور شے کا خمیازہ ہے ہندوستان و پاکستان کا ذکر ہی کیا ساری دنیا جو جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن گئی ہے اور امن و سلامتی کی مجلس (سیکورٹی کونسل) تک میں اپنی خودغرضیوں اور پاسداریوں ہی کی راہ سے امن سوزی کی آگ کو جو بھڑکاتے اور پھیلاتے رہتے ہیں کیا وہی اعلیٰ درجہ کے پڑھے لکھے جاہل نہیں ہیں۔

غرض گریبان میں سر ڈال کر ذرا سوچا اور دیکھا جائے تو "پڑھی لکھی" جاہلیت جدیدہ نے ساری دنیا کے حق میں ایسے قہر و عذاب کی شکل اختیار کر لی ہے کہ غریب ان پڑھ "جاہلیت قدیمہ" بھی اس کے آگے مات ہے۔!

خود خدا کی کتاب جس کا سرچشمہ علم و حکمت کامل و مطلق یا محدود و بے خطا ہے، اور جس کے اندر کسی کجی و کج راہی کا گزر نہیں جب مو... کے بغیر اس کی بھی نری کتابی تعلیم کافی نہیں تو ایسی کتابوں کا ذکر ہی کیا جو ناقص و محدود و پر خطا ذہنیاں علم کی پیداوار اور کجیوں اور کج راہیوں سے پر ہیں، ان کی تعلیم تو اگر کسی درجۂ اضطرار میں اختیار بھی کی جائے تو سیرت کا عمل کے ساتھ عملہ کا عمل کی کتابوں کی تعلیم اور بھی اہم و اقدم ہو جاتی ہے۔

بحالات موجودہ ان کی اصلاح کی ممکن صورت

یعنی جدید تعلیم کے ان ناقص اثرات کو دور کرنے کے لئے جن کی بنا پر اس کے پڑھے لکھوں کو خود اسی کے اکابر کی زبان سے "اجہل تعلیم یافتہ" سن چکے ہو۔ اولاً تو یہ ضروری ہے کہ اس کے اساتذہ و معلمین خود ان اثرات سے پاک اور تلامذہ و متعلمین کے لئے پاک و پاکیزہ زندگی کا نمونہ ہوں، ثانیاً اس مادی و معاشی علوم کے ساتھ روحانی و مادی یا دینی علوم کی تحصیل لازم اور بقدر ضرورت ان پر مقدم ہو پہلی دونوں چیزیں یعنی اساتذہ و متعلمین میں مطلوبہ بالا انقلاب و تبدیلی اور اس دنیوی تعلیم کا لزوم یہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے ہاتھ میں یہ جدید نظام ہے اور جو خود اس کے اثرات سے ابھی اتنے مرعوب و مغلوب ہیں کہ ان سے کسی فوری انقلاب کے قبول کی امید نہیں۔

البتہ عام مسلمانوں کو اس لادینی نظام تعلیم کے مضر اثرات اور زہریلے ثمرات پر متنبہ کرکے آگے کے فتنہ کا سد باب نہ در نہ زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ اور اوپر جو دینی تعلیم کا نظام پیش کیا گیا ہے اس سے یہ کام لیا جائے کہ

(۱) جب لوگ اپنی اس داعیانہ جوابدہی کو سمجھنے لگیں کہ جس طرح ان کے ذمہ اپنے اہل و عیال یا توابع کی دنیوی خبرگیری و خیرخواہی ہے اس سے بدرجہا بڑھ کر عقلاً و نقلاً دینی خبرگیری و خیرخواہی واجب ہے۔ کیونکہ ایک طرف زیادہ سے زیادہ دنیا کا فانی و غیر یقینی بلکہ وہ بھی ضرر ہے اور دوسری طرف آخرت کی ابدی و یقینی زندگی کا یقینی ضرر۔ اس لئے اپنی اور اپنی اولاد و توابع کی پوری پوری خیرخواہی تو یہ ہے کہ ایسے لادینی نظام تعلیم کی طرف قطعاً ان کو جانے ہی نہ دیں۔ انشاءاللہ بہت سے باہمت مومن اس ایمانی ہمت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور حضرت تھانویؒ کی اصل رائے یہی ہے، جیسا کہ اوپر "تعلیم انگریزی کی تحقیق" میں معلوم ہو چکا۔

(۲) ورنہ ایمان کا اقل قلیل تقاضہ یہ ہے کہ لادینی اسکولوں اور کالجوں کے دروازہ میں قدم رکھنے سے پہلے دیندار معلمین کی نگرانی میں بقدر واجب دینی تعلیم پوری کرا دی جائے۔ یعنی دینی مذکورہ بالا مسجدی مکاتب کی تعلیم پوری کرکے کم از کم ابتدائی درجہ تک کی۔ اس کے علاوہ شہر بہ شہر ان کی پوری پوری دینی عملی و اخلاقی نگرانی ہے اور جدید تعلیم کے جو بداثرات فاسقوں میں تو ہرگز ہرگز قدم نہ رکھنے پائیں۔ ... مکتب یا مدرسہ کے پاس کسی اور دیندار عالم سے ملاقات یا مکاتبت کا تعلق ان سے ضروری قرار رکھا جائے۔

(۳) ایک اور کرنے کا کام یہ ہے کہ ایسے اقامت خانے زیادہ سے زیادہ قائم کئے جائیں جن کے مصارف قیام و طعام کم سے کم ہوں اور جن میں اچھے صالح و دیندار نگرانوں کی نگرانی میں

(باقی صـ۲ پر دیکھیے)

تاریکی سے روشنی تک

عجیب انقلاب

ابو سلیم محمد عبدالحی

کون ہے جو دنیا کو چین اور سکھ سے بھرا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا؟ ہر انسان خوشی کا طلب گار ہے۔ وہ اپنے لئے خوشی چاہتا ہے اور اپنے چاروں طرف مسرت ہی مسرت دیکھنا پسند کرتا ہے۔

کون ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کے آس پاس جتنے لوگ رہتے ہیں وہ سب نیک ہوں؟ بھلے ہوں، خدا سے ڈرنے والے ہوں، ایک دوسرے کے سچے ہمدرد ہوں، اپنے فرض کو پہچانتے ہوں اور مطالبات منوانے سے زیادہ حقوق ادا کرنے کا خیال رکھتے ہوں۔

کون ایسا ہے جو اسے پسند کرے گا کہ وہ لوگوں کو ایک دوسرے کا حق مارتے ہوئے دیکھے اور کچھ نہ کہے؟ زبردست کمزوروں کو ستائیں، مال دار غریبوں کو کھسوٹیں، اخلاق، نیکی اور شرافت کا دیوالہ نکلتا رہے، انسانیت کی بدنامی ہوتی رہے، اور اسے کوئی دکھ نہ ہو۔

بلاشبہ ایسے لوگ تو کم ہیں جو اپنے چاروں طرف برائیوں کو دیکھ کر ان کو دور کرنے کی کوئی تدبیر بتا سکیں اور دنیا کے دکھوں کا کوئی اچھا علاج تجویز کر سکیں، لیکن ایسے نیک انسانوں کی کمی نہیں جو دنیا کی خرابیوں کو دیکھ کر کڑھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا میں شرافت انسانیت اور اخلاق کا ہی دور دورہ ہو۔

دنیا کی پریشانی

آج کی دنیا چین اور سکھ کے اعتبار سے بڑی بدنصیب ہے۔ انسان نے علم میں ترقی کی۔ سائنس کی بے شمار معلومات حاصل کیں۔ بھاپ، بجلی اور ایٹم کی طاقت کو تسخیر کر کے زندگی کی لاکھوں آسائشیں حاصل کر لیں لیکن بدامنی، فساد اور بے چینی گھٹنے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ہزاروں الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایسی بے شمار پریشانیاں ہیں جن کے دور کرنے کی کوئی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا یہ حیثیت کوئی نئی مصیبت ہے؟ کیا انسان کو اس طرح کی پریشانیوں سے ابھی واسطہ پڑا ہے؟ کیا اس سے پہلے بھی انسان ایسی ہی الجھنوں کا شکار رہا؟ اگر ایسا ہے تو کیا ان الجھنوں کا کوئی علاج بھی ہے۔ اور اگر اس سے پہلے انسان کو اسی قسم کی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا تھا تو ان کو کس طرح دور کیا گیا؟

یہ ہیں وہ اہم سوالات جو ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہوں گے جو انسان کے موجودہ دکھوں پر نظر رکھتا ہو اور جس کے سینے میں محسوس کرنے والا دل ہو۔ ان سوالات کے مختصر جوابات یہ ہیں —— نہ یہ مصیبت کوئی نئی مصیبت ہے اور نہ یہ الجھنیں ہی ایسی ہیں جو آج سے پہلے کبھی انسان کے سامنے نہ آئی ہوں۔ اور یہ کہ ان سب دکھوں کا علاج بھی ہے۔ ایسا علاج جو بار بار کا آزمایا ہوا ہے اور بہت ہی کارگر ہے۔

پریشانیوں کا اصلی علاج

جو کچھ آپ نے اوپر پڑھا یہ ایک دعویٰ ہے۔ اس کا ثبوت ہمارے ذمے ہے۔ یوں تو اس دعوے کے ثبوت میں تقریباً ان سارے ہی واقعات کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ہر نبی کے تشریف لانے پر پیش آئے۔ دنیا کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انسان بار بار ایسی ہی گمراہیوں اور خرابیوں میں پھنس کر ہمیشہ مصیبتوں اور دکھوں سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ اور یہ سارے دلدر اس علاج سے دور ہوتے رہے ہیں جو اس جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں نے پیش کیا —— لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے اللہ کے سب سے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے کے حالات کا ایک نقشہ پیش کریں۔ اور آپ کو خود یہ اندازہ کر لینے کا موقع دیں کہ آج جو الجھنیں ہمارے سامنے ہیں کیا وہ ٹھیک ویسی ہی خرابیوں کا نتیجہ نہیں ہیں جیسی کہ اس وقت پھیلی ہوئی تھیں، جبکہ خدائی ہدایت کی آخری شمع فاران کی چوٹی پر روشن ہوئی تھی —— اگر ایسا ہو تو پھر آپ خود اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ اس وقت جس تریاق سے انسانیت کے جسم کے زہروں کو مارا گیا تھا، وہی تریاق آج بھی دنیا کو موت کے منہ سے بچا سکتا ہے۔ انسان کے پاس تاریخ کا علم اسی لئے ہے کہ وہ پچھلے تجربوں کی روشنی میں آگے بڑھنے کے لئے راستہ پا سکے اور زمانے کے حالات سے ایسا سبق لے سکے جو اسے بار بار ٹھوکریں کھانے سے نجات دیدے۔

عجیب انقلاب

اب سے چودہ چودہ سو سال پہلے اس انقلاب کی ابتدا ہوئی جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا سب سے زیادہ عجیب و غریب انقلاب تھا۔ یہ انقلاب کسی قوم یا کسی ملک کا انقلاب نہیں تھا بلکہ ساری دنیا نے اس انقلاب سے اثر قبول کیا، اور اس کے نتیجے میں دیکھتے دیکھتے صرف آدھی صدی میں ساری انسانیت کا رنگ پلٹ گیا۔ لوگوں کے سوچنے کے انداز بدل گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ انسانیت کی وہ کشتی جو بداخلاقی، بدامنی اور فساد کے بھنور میں پھنس کر ڈوبا ہی چاہتی تھی ایک دم امن، سکون اور خوشحالی کے کنارے آ لگی۔

تاریخ کا یہ تجربہ ایسا نہیں ہے کہ اسے یوں ہی نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ یقین ہو جائے کہ سماج کی بے چینی کا سبب آج بھی انسانیت کے وہی زخم ہیں جو اس وقت تھے، تو کوئی وجہ نہیں کہ چین اور سکھ حاصل کرنے کے لئے پھر اسی مرہم کو استعمال نہ کیا جائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ حالات بھی کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، انسان نے علوم اور فنون میں بہت ترقی کر لی ہے۔ اس کے رہنے سہنے کے ڈھنگ بدل گئے ہیں، اس کے سوچنے اور عمل کرنے کے طریقے اب کچھ اور ہیں، لیکن پھر بھی انسانیت کے امراض کچھ ایک جیسے ہی ہیں۔ پہلے جو کام جہالت اور لاعلمی میں کئے جاتے تھے آج وہی کام علم کے زور پر ہوتے ہیں۔ پہلے جو فساد، بدنظمی اور غلط نظام حکومت کی وجہ سے ہوتے تھے، اب اس سے بڑھ کر فساد منظم حکومتوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔ قومی اور وطنی تعصب اگر پہلے قبیلوں میں جھگڑے کرا دیتا تھا تو اب اسی بنیاد پر ایک ملک دوسرے پر آگ برساتا ہے۔ غرض یہ کہ مرض تو کچھ یکساں ہیں البتہ ان کے ظاہر ہونے کے انداز بدل گئے ہیں۔

بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کے کچھ حالات اس طرح رکھیں کہ آپ کو یہ اندازہ ہو جائے کہ اس وقت انسانی سماج کی خرابی کی جڑ کیا تھی اور اس کا علاج کس طرح کیا گیا۔ اب اگر آپ کو ساتھ ہی ساتھ یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ آج بھی وہی خرابیاں موجود ہیں، تو پھر آپ اس فیصلے پر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کس طرح کرنا چاہیے۔ جو ہمارے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے مطالعہ کا بڑا مقصد یہی ہے کہ ہم حضور کے لائے ہوئے دین کی روشنی میں ان خدائی ہدایات کو معلوم کر سکیں، جن کی پیروی میں دنیا کی عزت، آخرت کی کامیابی اور اللہ کی رضا ہے۔

(۱) غلط قسم کی مذہب پرستی

جب مذہب —— اصولوں کے بدلے لوگوں کی خواہشات اور اغراض کا نگہبان بنجاتا ہے تو انسانیت کے لیے سخت خطرناک ہو جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جب مذہب اپنے اصلی رنگ میں آیا تو اس نے انسانوں کو انسان بنایا، ان میں خدا ترسی پیدا کی، انھیں ایک دوسرے کے حقوق کا محافظ بنایا، لوگوں کو امن اور [illegible] کے ساتھ رہنا سکھایا۔ لیکن جب

اسی تیز اعراض کا غلبہ ہوا تو —— یہاں تک نوبت آئی کہ مسلمانوں کے حملوں کے وقت کچھ یہودی اور عیسائی فرقوں نے اپنے ہم مذہب کسی دوسرے فرقے کے نظام سے تنگ آ کر مسلمانوں کے ماتحت ہو کر رہنے کو زیادہ پسند کیا ہے۔

آج کیا حال ہے؟ یہ مرض یقیناً اب بہت اونچے پیمانے پر موجود ہے۔ چاہے مذہب باقی ہو یا نہ ہو لیکن مذہبی تعصب اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ یہی حال قومی، وطنی اور نسلی تعصب کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید انسان پیدا ہی ہوتا ہے ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کرنے کے لئے۔

بے لگام سیاست

اقتدار اور طاقت انسان کو اندھا کر دیتی ہے، دولت کے نشے میں کچھ بھائی نہیں دیتا۔ اور جب انسان کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ خود تو دوسروں کی کوتاہیوں پر بازپرس کر سکے لیکن اس سے پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہ ہو، تو پھر وہ سب سے زیادہ بے لگام اور فسادی ہو جاتا ہے۔ دراصل انسان کا مقام یہ ہے ہی نہیں کہ وہ یہاں حاکم اور مالک ہے۔ اور اسی لیے جب وہ اس غلط مقام کو اختیار کر لیتا ہے تو پھر ظلم اور ناانصافی ہی پھیلتی ہے اور دنیا سے سچا امن اور سکھ غائب ہونے لگتا ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک سیاست کی باگ ڈور سچی خدا پرستی اور سچے دین کے ہاتھوں میں رہی دنیا کو سکھ اور چین ملا، لیکن جب سیاست دین سے آزاد ہو گئی یا غلط قسم کے مذہب کے حوالے کر دی گئی تو پھر چین اور امن دنیا سے رخصت ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ساری دنیا اسی بے لگام سیاست کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔ ایران اور روم اس وقت کی بڑی بڑی سیاسی طاقتیں تھیں۔ لیکن نہ تو ایرانی اقتدار اپنے کو کسی اور بالا اقتدار کے سامنے جواب دہ مانتا تھا اور نہ رومی ہی اس تصور سے آشنا تھے۔ ہر ایک اپنی کبریائی کا مدعی تھا۔ مذہب کا تعلق یا تو سیاست سے تھا نہیں اور اگر کچھ تھا تو بس اس قدر کہ حکومت ہر اس غلط قسم کے مذہب کی سرپرستی کے لیے آمادہ رہتی تھی جو کسی نہ کسی طرح اس کی جڑوں کو مضبوط کر سکے۔ اس بات کی گنجائش بالکل نہ تھی کہ حکومت مذہب کی تجویز کی ہوئی اخلاقی حدوں کی پابندی کرے اور اپنے آپ کو کسی بالاتر ہستی کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوئے معاملات کو حل کرے۔ یہی حال عرب کا تھا، ہر قبیلے کے سامنے اپنا اپنا مفاد تھا نظم اور ضبط کے لئے کسی قسم کی اخلاقی قیود کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ایک کو اپنے اقتدار اور بالا دستی کی فکر تھی۔ اور بس۔

ہندوستان میں بھی اس وقت بہت سے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کا دور دورہ تھا۔ یہاں کی حالت تو اور بھی خراب تھی کیونکہ یہ راجہ تو اپنا نسلی تعلق سورج اور چاند سے قائم کر کے اپنے آپ کو اس دائرے سے بالکل باہر کر چکے تھے، جہاں ان کے لیے بھی کسی اخلاقی قانون کی پابندی ضروری ہوتی۔ ان کا ہر قول قانون اور ان کا ہر فعل حق تھا۔ کہتے ہیں راجاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔

آج کے حالات پر نظر ڈالئے، کیا آپ کو کہیں دین اور سیاست کا جوڑ نظر آتا ہے؟ حد تو یہ ہے کہ آج سیاست کا بھی یہ حال ہے کہ اگر ان کے سامنے یہ مطالبہ آ جائے سیاست کے مسائل کو حل کرتے وقت خدا کی حاکمیت کا یقین، اس کے قانون کا احترام، اور اس کے سامنے جواب دہی کا تصور رکھا جائے تو ان کی پیشانیوں پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ اس بات کو اپنے لئے ایک "سیاسی گالی" سمجھتے ہوئے ہر قسم کی گالیوں پر اتر آتے ہیں۔

دولت کی نابرابر تقسیم

بے لگام سیاست کا لازمی نتیجہ دولت کی نابرابر تقسیم ہوتا ہے۔ جب اقتدار پر قبضہ رکھنے والے اقتدار کو اپنا نسلی حق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے سامنے کسی قسم کی ذمے داری اور جواب دہی کا تصور نہیں ہوتا تو وہ ایک طرف تو اپنی طاقت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی ہر جائز اور ناجائز کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ عام لوگوں کو اپنا زیر دست اور محکوم رکھنے کے لئے انھیں پنپنے کا موقع ہی نہیں دیتے اس کوشش کے نتیجے میں دولت سمٹتی جاتی ہے اور عوام مفلسی کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایران اور روم کی بادشاہتوں میں شاہی خاندان کے افراد ملک کے ذرائع اور وسائل کے مالک بنے ہوئے تھے، اور عام لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے تھے، پھر ان دونوں ملکوں میں آئے دن کی جنگوں کے نتیجے میں حالات اور بھی ابتر تھے۔ افلاس اور غربت عام تھی۔

معاشی پریشانی

عرب کی معاشی حالت اور بھی زیادہ خراب تھی۔ ملک کی پیداوار کچھ کھجور اور کچھ غلہ ملک کی ضرورت کے لئے بہت ناکافی تھی، عرب والے اکثر پریشان رہتے تھے۔ لوٹ مار کر کے پیٹ پالنا ان کی عام عادت تھی۔ ان کے نزدیک لوٹ مار اور قتل و غارت کوئی عیب نہ رہا تھا۔ بلکہ وہ اکثر اس پر فخر کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کا ذریعہ معاش بیرونی ممالک سے تجارت کرنا تھا۔ خاص طور پر قریش یہی کام کرتے تھے، اور وہ اس کام میں بڑے ماہر تھے۔ انتہائی محنت کے ساتھ وہ اپنا مال ان بیابانوں اور صحراؤں سے ہو کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتے تھے جن سے ہو کر گزرنا آج بھی انتہائی خطرناک سمجھا جاتا ہے۔

سودی کاروبار

یہودی سرمایہ دار ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں تک سب بڑی بڑی تجارتی منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا۔ غلہ کسان اور کاشتکار محنت سے پیدا کرتے تھے اور یہودی بیٹھے بیٹھے ان کا خون چوستے تھے۔ بڑی بڑی شرحوں پر سود دیتے، اور کاشتکاروں کی بیوی اور بچوں تک کو قرضے میں گروی رکھ لیتے۔ اس خرابی نے ملک کو عام بدحالی میں بری طرح مبتلا کر رکھا تھا۔

آج کے حالات پر نظر ڈالئے۔ ان میں سے کونسی خرابی ایسی ہے جو اب اپنی انتہائی حدوں کو پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ دولت کی نابرابر تقسیم نے سارا نظام درہم برہم کر رکھا ہے۔ معاشی پریشانی نے عام انسانوں کو سوائے پیٹ کے اور کسی مصرف کا نہیں چھوڑا ہے۔ چوبیس گھنٹے کی مسلسل فکر اور محنت کے بعد بھی پیٹ بھر لینا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ ہر قسم کے لین دین اور جملہ تجارت پر کسی نہ کسی شکل میں سود کی لعنت سوار ہے۔ اور یہ مسئلے اب اس قدر الجھ گئے ہیں کہ ہر شخص ان سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی خونی انقلاب کا منتظر ہے حالانکہ اس بیچارے کو یہ یقین بھی نہیں ہے کہ اس انقلاب کے بعد اس کی مشکلات دور بھی ہو جائیں گی یا نہیں۔ آج کے انسان کی مثال اس شخص سے کچھ مختلف نہیں ہے جو کسی بالائی منزل کے کمرے میں آگ لگ جانے پر اس میں گھر گیا ہو اور اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہوں یا تو وہ اسی کمرے میں جل بھن کر خاک ہو جائے یا پھر کھڑکی سے کود کر ہاتھ پیر توڑ لے۔ حالانکہ اس بیچارے کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ ہاتھ پیر قربان کر کے جان بچانے کیلئے وہ جس کھڑکی سے کود رہا ہے وہ خود ایک ایسے میدان میں کھلتی ہے جہاں پہلے سے آگ لگی ہوئی ہے اور وہ آگ اس سے کم نہیں ہے جس سے جان بچا کر وہ بھاگ رہا ہے۔

سماجی خرابیاں

اخلاق اور معاشرت کی خرابیاں ہر ملک میں عام تھیں۔ نسلی اعتبار سے اونچ نیچ اور شریف و رذیل کا تصور عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ نسلی تفاخر و غرور کے پیچھے وہ برسوں لڑتے رہتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی اخلاقی خرابیاں جوا، شراب، زنا، اولاد کا قتل، لوٹ مار اور اسی طرح کی سیکڑوں خرابیاں ان کے روز مرہ میں داخل تھیں —— ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طائف کے کچھ لوگ آئے اور مسلمان ہونے کے لیے آمادگی ظاہر کی، لیکن یہ شرط لگائی کہ ہمیں زنا کرنے کی اجازت ہو، شراب پینے سے نہ روکا جائے، اور سودی کاروبار جاری رکھنے دیا جائے۔ آنحضرت نے ان کی یہ تمام شرطیں نامنظور کر دیں۔ اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا اخلاق کس درجہ گر گیا تھا۔ جو عیب سماج میں بڑے بڑے عیب شمار کیے جاتے ہیں ان کے نزدیک ان میں بھی کوئی خرابی باقی نہ رہی تھی۔

ایران، روم اور مصر کا حال بھی کچھ اچھا نہ تھا عورت مرد کی ملک سمجھی جاتی تھی سماج میں اس کو کوئی مقام نہ

تھا۔ اخلاق کی وہ بنیادی باتیں جو ہمیشہ سے انسانیت کا زیور رہی ہیں اس حد تک مٹ چکی تھیں کہ لوگ بداخلاقی پر ناز کرنے لگے تھے۔ اخلاقی آوارگی عورت اور مرد کے ناجائز تعلق سے بڑھ کر مرد اور مرد کے غیر فطری تعلق کی حد تک پہنچ چکی تھی، اور یہ لوگ اس پر ناز تھا۔

ہندوستان میں بھی اخلاق زوال حد کو پہنچا ہوا تھا۔ سماجی خرابیوں اور ذات پات کی تقسیم نے پوری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ قانون کی نظر میں انصاف کسی ایک چیز کا نام نہ تھا۔ نیچ ذات کے لوگوں کو جن جرموں کے بدلے موت کی سزا ملتی تھی وہی کام اونچی ذات کے لوگوں کے لیے جرم ہی نہ تھے۔ جوا ایک عام تفریح تھی، اس بازی میں عورتیں تک ہاری جاتی تھیں۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے شراب عام تھی۔ قومی تہواروں کے موقع پر شراب پی کر بدمست ہو جانا اور ہر قسم کی عیاشی کرنا نہ صرف یہ کہ عیب نہ تھا بلکہ نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا۔

کیا آج سماج ان عیبوں سے پاک ہے؟ ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آج یہ خرابیاں کچھ زیادہ ہی ہیں۔ نسلی غرور اور اونچ نیچ کا فرق، کالے گورے رنگ کی بنیاد پر عزت کا فیصلہ اور انصاف اور قانون میں قدم قدم پر امتیاز، آج ہر ملک میں عام ہے۔ جوا ایک معصوم کھیل ہے۔ جوا اونچے طبقے کے لیے "برج" اور "فلش" کے ناموں سے بالکل حلال ہے۔ اور قانون اگر کبھی حرکت میں آتا بھی ہے تو صرف نیچے طبقے کے لوگوں کے لیے۔ زنا کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ قانون صرف جبر کو ناپسند کرتا ہے۔ عورت کو یوں تو برابری کا درجہ دینے کا دعویٰ ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو اسے "کھلونا" بنانے کے سوا اور کچھ نہیں کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ وہ کون سی برائی ہے جو اس "غلط زمانے" میں تو کہیں نظر آتی ہو اور آج کے "روشن دور" میں وہ اس وقت سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر موجود نہ ہو۔

علاج

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَإِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے لیے اس زمین پر لاکھوں قسم کا سامان فراہم کیا ہے۔ سورج، چاند، ہوا، پانی، بادل، بارش، زمین کی زرخیزی، لاکھوں قسم کی نباتات، ہزاروں قسم کے جانور، غرض یہ کہ یہ پوری کائنات مل کر انسان کی ضروریات پورا کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسا مہربان مالک انسان کی زندگی بسر کرنے کے لیے اسے کوئی راہ نہ دکھائے اور اسے یوں ہی بھٹکتا چھوڑ دے؟ اسے کوئی ایسا طریقہ نہ بتائے جس کو اختیار کر کے وہ اس زندگی کے مقصد کو پورا کر سکے اور اپنے آقا کو خوش کر کے اس کے بعد آنے والی دائمی زندگی کو کامیاب بنا سکے ——— یہ اس کے رحم سے بعید تھا۔ اس کے کرم سے دور تھا۔

چنانچہ اس نے ہر زمانے میں انسان کی اس ضرورت کا خیال رکھا۔ سب سے آخری بار اس نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مقصد کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب دنیا اس حد تک ترقی کر چکی تھی کہ اس کے لیے ایک مکمل اور آخری ہدایت بھیج دی جائے تو اس کے لیے کافی ہو سکے۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اسی ہدایت اور اس کے بھیجے ہوئے اسی نسخۂ کیمیا کو دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ آپ کی پوری تعلیمات آپ کی لائی ہوئی آسمانی کتاب اور آپ کا سکھایا ہوا زندگی کا نمونہ رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت کا ایسا چراغ ہے جو ہر راہی کو گمراہی کے گڑھوں اور تباہی کے غاروں سے بچا سکتا ہے۔

اللہ کا دین ہماری رہنمائی کس طرح کرتا ہے؟ یوں تو اس سوال کا جواب جاننے کے لیے دین کا تفصیلی مطالعہ ہی ضروری ہے۔ لیکن اپنا یہ مضمون ختم کرنے سے پہلے ہم صرف ان علاجوں کی طرف مختصر طور پر اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی تعلیمات سے ہمیں ان خرابیوں کے سلسلے میں ملتے ہیں جن کا ذکر اسی مضمون میں کیا گیا ہے۔

(۱) آپ پڑھ چکے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ بے روح مذہبیت اور شرک کا عقیدہ ہے۔ اللہ کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سے کاری ضرب اسی پر لگائی۔ انسان کو اس کائنات کے خالق کی ذات اور صفات کے بارے میں صحیح علم دیا، توحید کے عقیدے کو مضبوط کیا اور ہر قسم کی "خدائی" اور برتری کو دنیا سے مٹا کر اسے صرف اس ذات کے لیے مخصوص کر دیا جو اس کی واقعی حق دار ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا یہی مفہوم ہے۔

(۲) فرقہ واریت اور قومی عصبیت کو دبانے کے لیے لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کیا کہ ان سب کا خالق اور مالک ایک ہی ہے، وہ سب ایک ہی آقا کے غلام اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ نسلی غرور بے معنی ہے، قومی اور وطنی تقسیم غلط ہے، جو آقا کو پیارا ہے وہی بزرگ اور برتر ہے، اور جو اس کا وفادار ہے وہ اس کے باغی سے بہتر ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں میں کوئی تفریق درست نہیں۔ انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر اور بھائی بھائی ہیں۔

(۳) بے قید اقتدار اور بے لگام سیاست کے مظالم سے انسان کی گردن چھڑانے کے لیے آپ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ اقتدار دراصل اللہ کا اقتدار ہے، مالک وہی ہے، حکومت اسی کا حق ہے، حکم دینے کا مجاز وہی ہے، ہدایت اسی کی ہدایت ہے۔ انسان محض اس کا غلام ہے، آقا کی تابعداری اس کا کام ہے، اسی کے بتائے ہوئے طریقے پر اس کی مرضی کے مطابق حکومت چلانا اور سیاست کو کام میں لانا درست ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غداری ہے، بغاوت ہے، ظلم اور فساد ہے۔ آپ نے غلط سیاست کو مٹانے کے لیے کچھ سیاسی طریقے اختیار نہیں کیے، بلکہ سیاست کو "اطاعت" کا سبق پڑھایا، خدا پرستی اور تقویٰ کا مفہوم سمجھایا، آخرت کی کامیابی کو مقصود بنا کر بادشاہوں کو محتاجوں کا خادم بنایا، اور انھیں محلوں سے نکال کر لوگوں کی خبر گیری کے لیے اندھیری گلیوں میں پھرایا، حاکم اور محکوم کا فرق مٹایا، انسانیت کو اونچا اٹھایا، ہر قسم کی غلامی کا طوق اتار کر پھینکوایا اور انسان کو انسان کی غلامی کی لعنت سے نکال کر صرف اللہ کا غلام بنایا اور اس اللہ کے غلام کو اللہ کی سب مخلوق سے اونچا کر دیا۔

اپنے پیش کیے ہوئے سیاسی نظام کا ایک عملی نمونہ اپنی زندگی میں چلا کر دکھایا اور ساری دنیا کے لیے اس نمونے کو ہدایت کا ایسا سرچشمہ بنا دیا کہ چند ہی سال میں اس بے لگام سیاست کو جو دنیا کے لیے باعث عذاب بنی ہوئی تھی خود ہی میدان سے ہٹ جانا پڑا۔

(۴) دولت کی نابرابر تقسیم، معاشی لوٹ کھسوٹ اور سرمایہ دارانہ جبر و ظلم کو مٹانے کے لیے آپ نے کوئی ایسی مہم الگ سے تو شروع نہ کی جو صرف اس کام کے لیے ہوتی اور نہ ایسا کرنا آپ کے شایان شان ہی تھا۔ ایک ہی نبی اور مصلح میں یہی فرق ہے۔ مصلح کسی ایک یا دو خرابیوں کو سامنے رکھ کر انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن نبی جس بنیادی تبدیلی کو اپنا مقصود بناتا ہے اس کے نتیجے میں انسانیت کے سارے ہی روگ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ البتہ آپ نے انسان کے دل سے دولت کی محبت کو دور کیا۔ انسانیت کے حقوق سے اسے باخبر کیا۔ حقوق طلبی سے زیادہ فرض شناسی پر زور دیا۔ آخرت کی کامیابی کو مقصود بنا کر انسان کو انسان کا خادم بنایا۔ اس کو لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی کی بھیانک نتائج کا یقین دلایا، اور سماج کے لیے قابل فخر بنا دیا ——— دنیا نے دیکھ لیا کہ چند ہی سال میں راہزن کمزوروں کے محافظ اور عیاش و اوباش عصمت و عفت کے بہترین نمونے بن گئے۔

(۵) معاشی ابتری کو دور کرنے کے لیے زراعتی اور صنعتی اسکیموں پر زور دینے کے بدلے سب سے پہلے دولت کی گردش کو درست کرنے والے اصولوں کا پابند بنایا، وراثت کی صحیح تقسیم، زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام، سود کی حرمت، سٹے اور جوے کی بندش، تجارت کے صحیح ضابطے، غرض یہ کہ اس قسم کے بہت سے کاموں کو ایمان کا جزو اور عمل صالح ٹھہرا کر پورے معاشی ڈھانچے کو اس طور پر بدل دیا کہ اس کے نتیجے میں چند ہی سال بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ ایک شخص مدینے کی گلیوں میں ڈھونڈتا پھرتا تھا اور اسے کوئی شخص ایسا نہ ملتا تھا جو صدقہ اور زکوٰۃ وصول کرنے کا حق دار ہو۔

(۶) سودی کاروبار کو قطعاً حرام ٹھہرایا اور اس طرح خون چوسنے والے سرمایہ دار کا قلع قمع کر دیا۔ اور پھر یہی نہیں کہ محض قانوناً سود کو حرام ٹھہرا دیا ہو بلکہ لوگوں میں خدا ترسی اور حقوق شناسی کی وہ روح پیدا کی جو سود خواری کی روح کے بالکل خلاف تھی۔

(۷) معاشرت کی اصلاح کی جو معیار اسلام نے پیش کیا اس کی تفصیلات کا ذکر تو ممکن نہیں۔ البتہ عورت کے مقام کو بلند کرنے، اس کے حقوق کی حفاظت، سماج میں کمزوروں کے مفاد کے تحفظ اور دوسرے تمام سماجی تعلقات کے لیے جو اصول اللہ کی شریعت نے مقرر فرما دیئے ہیں وہ آج بھی دنیا کے تمام اصولوں پر بھاری ہیں۔

("تلخیص کے ساتھ بشکریہ الحسنات")

دوسری قسط

اسلاف کرام کا مالی ایثار

(از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری)

(۸) **طلبہ و مساکین کے واسطے تجارت:-** ہمارے اسلاف میں امراء کی ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو تجارت کے نفع کو غرباء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ حسان بن ابی سنان فرمایا کرتے تھے لَوْلَا الْمَسَاكِينُ مَا تَجَرْتُ اگر مساکین نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔

چنانچہ بصرہ میں ان کا تجارتی کاروبار تھا نفع کا جو حصہ ان کو ملتا تھا اس میں سے ضروری اخراجات لے کر باقی سب صدقہ کر دیتے اور ان کا شریک اسی جگہ اپنے نفع سے جائداد خریدتا۔

(۹) ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا بھی دیکھئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک طلباء دین و علمائے کرام کی دعوت کثرت سے کرتے تھے اور ہر دعوت میں فالودہ کے خوان بھی پیش کرتے اور طلبہ و علماء کو مخاطب کر کے فرماتے اگر آپ لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو میں تجارت نہ کرتا یہ تجارت آپ ہی لوگوں کی پیش از بیش خدمات کے لئے کرتا ہوں (صفۃ الصفوۃ جلد چہارم ص۱۱۷)

آج آخرت سے بے توجہی اور امور دینیہ سے بے رغبتی عام مسلمانوں کا شیوہ بن چکا ہے اس کا واحد سبب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کو حقیقی اور اصلی سمجھ لیا گیا ہے اور اخروی زندگی جو دراصل واقعی اور حقیقی زندگی ہے اس کو چند روزہ عیش و عشرت کی سرمستی میں زعم دنیاوی اور غیر حقیقی سمجھ لیا گیا ہے اس لئے ہم اور آپ امور آخرت سے یکسر غافل ہیں اور دنیاوی امور میں انتہائی چست و چالاک ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں اے ابن آدم دنیا تو جس قدر مقدر ہے تجھے ملے گی لیکن آخرت اور دین تیرے طلب پر موقوف ہے تو اس سے غفلت و لاپرواہی کیوں کرتا ہے (صفۃ الصفوۃ جلد چہارم ص۷۶) یعنی اہل دنیا دنیا کے ظواہر کو حقیقت سمجھ کر آخرت سے بری طرح غافل ہیں یہ آیت آج ہمارے حالات پر بالکل صادق ہے۔

(۱۰) **پوشیدہ خیرات کا طریقہ:-** ہمارے ایسے بزرگ بھی تھے جنھوں نے خیرات و صدقات کو اپنا شعار بنا رکھا تھا ان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ نام کی شہرت سے بچنے کے لئے پوشیدہ خیرات دوسرے لوگوں کے ذریعہ کرایا کرتے تھے۔

محمد بن اسلم طوسی حاجت مندوں کی طرف کپڑے اور روپے بھیجتے تو قاصد سے کہہ دیتے کہ ان لوگوں سے بھیجنے والے کا پتہ نہ دینا۔ آج اس پر کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ حاجت مندوں کو پتہ بتانے سے اس لئے روکا ہوگا کہ پتہ جاننے پر وہ لوگ دوبارہ سوال کرنے کے لئے نہ آ جائیں حاشا و کلا ان بزرگوں کا کبھی بھی ایسا خیال نہ تھا کیوں کہ وہ فرمایا کرتے تھے لَوْ قَدَرْتُ أَنْ أَتَطَوَّعَ حَيْثُ لَا يَرَانِي مَلَكَايَ لَفَعَلْتُ وَلٰكِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ کہ اگر میں اپنے نفلی صدقات و عبادات کو فرشتوں سے چھپا سکتا تو ان سے بھی چھپاتا۔ یہ بزرگ اس حدیث کے تحت پوشیدہ خیرات کرنے کا خیال و اہتمام رکھتے تھے جس میں ارشاد ہے کہ داہنا ہاتھ اس طرح خرچ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ لگے حدیث کا یہ ٹکڑا مشہور و معروف صحیح ترین حدیث سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ کے تحت موجود ہے (اس حدیث پر علیحدہ تفصیلات و واقعات انشاء اللہ جلد شائع ہوں گے)

(۱۱) علی بن حسین بن علی اپنی پشت مبارک پر کبھی روٹیوں کا اور کبھی آٹا ہی کو جھولوں میں ڈال کر رات کی تاریکی میں لے جاتے اور پوشیدہ خیرات کرتے اور فرماتے صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ پوشیدہ و گمنام خیرات خدا کے غضب کو بجھا دیتا ہے (صفۃ الصفوۃ جلد دوم ص۵۴)

(۱۲) **مقروض کی فیاضانہ امداد:-** محدث جلیل عالم کبیر حضرت عبداللہ بن مبارک کی ہمت مردانہ و سخاوت شاہانہ کا ایک واقعہ سنئے ایک بار آپ کے پاس ایک غریب آدمی جو سات سو روپیہ کا مقروض تھا اور ان سے سات سو روپیہ امداد میں طلب کیا آپ نے اپنے وکیل تجارت کو خط لکھ دیا کہ اس کو سات ہزار روپے دیدیے جائیں وکیل نے زبانی پوچھا تم نے کتنے کے لئے درخواست کی تھی اس نے کہا میں نے سات سو درہم کی درخواست کی تھی تاکہ میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ وکیل نے سمجھا کہ شاید سات سو کے بجائے سات ہزار غلطی سے لکھ دیا گیا ہو اس نے ان کو واپس بھیج کر حقیقت حال دریافت کی تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ نے جواب میں جو کچھ لکھا وہ آج اس خدا بیزار و مسلم آزار دنیا کے سننے کے قابل ہے فرمایا۔

إِذَا أَتَاكَ كِتَابِي هٰذَا فَاقْرَأْ فَحَجٍّ إِلٰى صَاحِبِ الْكِتَابِ أَرْبَعَةَ عَشَرَ أَلْفًا جب میرا یہ خط پہنچے تو میرا حکم صرف سات ہزار روپیہ کے لئے تھا لیکن اب میرا حکم یہ ہے کہ چودہ ہزار روپیہ تم حامل رقعہ کے حوالہ کر دو۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اس تیرہ و تاریک دنیا میں اجالا پیدا کرنے کے لائق ہے فرمایا۔ تم کو معلوم ہو کہ میرے آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے اچانک غیر معمولی خوشی اور مسرت کی بات پیدا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بخشش میں ڈھانپ لیتے ہیں فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُفَاجِئَهُ فَرْحَةً عَلٰى فَرْحَةٍ یعنی بس میں چاہتا ہوں کہ اس طرح میں بھی اس کو اس خیال سے بالاتر ہو کر اچانک مسرت پر مسرت پہنچا دوں تاکہ خدا بھی مجھ کو اچانک ——— بیش از بیش مسرت پہنچائے (صفۃ الصفوۃ جلد چہارم ص۱۱۷)

بقیہ معاشرہ کی اصلاح

دینی تربیت کے ساتھ بقدر واجب و ضرورت دینی احکام کی تعلیم و تفہیم کا انتظام ہو سکے لئے روزانہ آدھ گھنٹہ یا ہفتہ میں دو تین دن کے ایک ایک گھنٹہ کافی ہوگا، اور جمعہ کے دن ایک گھنٹہ حضرت تھانوی کے مواعظ میں سے مناسب وعظوں کا سنانے رہنا نیز بعض ایسی چیزیں بھی کبھی کبھی سناتے رہنا جن سے جدید عقلیت و عقلیات، یا سیاست و معاشیات کا جو بھی رعب و ہیبت رفع ہو۔

> اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
> اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک قائد!

(شمس الحق ندوی)

آپ رحمت عالم بن کر آئے تھے۔ پھر یہ کہنا کہ آپ ایک ماہر قائد اور سیاسی مدبر تھے۔ آپ نے جنگ کا بازار گرم کیا، بڑی بہادری و جانبازی اور ثبات قدمی کا ثبوت دیا، اور اپنے منصوبوں میں کامیاب رہے، کچھ بھلا نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ آپ کی شان میں ایک بے ادبی و گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نہیں یہ نہ آپ کی شان میں بے ادبی و گستاخی ہے، نہ اس سے شان نبوت اور آپ کی صفت رحمت پر کوئی داغ دھبہ لگتا ہے، نہ کسی حرص کے خیال کی اس سے تائید ہوتی ہے۔

آپ انسانی دنیا میں عدل و انصاف، رحمت و رأفت، تودد، شرم و حیا، اخوت و مساوات اور الفت و محبت کا پیغام سنانے اور انسانوں کو غیر اللہ کی عبادت کے بار گراں اور استبداد و ظلم سے نجات دلا کر ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے آئے، دنیائے انسانیت برسوں سے گمراہ رہی تھی، آوارہ و شتر بےمہار تھی، نہ کوئی اصول تھا نہ دستور تھا، حسن و اخلاق، اتفاق و اتحاد حرف غلط کی طرح مٹائے جا چکے تھے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل ہو رہا تھا۔ ذاتی اغراض و مقاصد کے سوا اور کوئی خاکہ لوگوں کی نگاہوں میں نہیں تھا۔ اس ماحول اور فضا میں آپ کو پیام رحمت لے کر آنا ایک خدا کے احکام کی اطاعت و پابندی کا پیغام سنانا، اعلان جنگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ تفصیل کا موقع نہیں، سیرت کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جب آپ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور اپنا کام شروع کیا تو کن کن مراحل سے گذرنا پڑا۔

خدا کا یہ قانون رہا کہ انسان کی اصلاح کے لئے جب بھی کوئی نبی و رسول بھیجا گیا تو وہ انسانوں ہی میں سے بھیجا گیا، ایک مدت اسی ماحول میں زندگی گذارنے کے بعد اس کو اس منصب سے سرفراز کیا گیا، خدا کی قدرت سے بعید نہ تھا کسی فرشتہ کے ذریعہ اپنا پیغام بندوں کو پہنچاتا، اسی کو رسول بناتا، مگر نہیں، رسول اسی کو بنایا جو انہیں جیسی ضروریات و مزاج رکھتا ہو تاکہ اس کا عمل قطعی دلیل و ثبوت بن سکے کسی تاویل و حیلہ بازی کا موقع نہ رہے۔

اب جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کے لئے اٹھے، دعوت کا کام شروع کیا تو رکاوٹوں اور فتنوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ آپ تنہا تھے، نہ کوئی معاون نہ کوئی مددگار، [illegible]، ایسی فضا میں ہوش و حواس کا صحیح رہنا، قوی و اعصاب کا ٹھیک کام کرتے رہنا، اسی کے بس کا کام ہے، جو بڑی اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں اور سیاسی سوجھ بوجھ کا مالک ہو، اس ابتدائی دور میں جب کہ آپ تنہا تھے، طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنے کا خیال و ارادہ کسی صاحب عقل و فہم کا کام نہ تھا، چنانچہ آپ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے جو مصائب سامنے آتے رہے ان کو جھیلتے رہے، گھبرائے نہ ہمت ہارے نہ مایوسی و ناامیدی کا شکار ہوئے، یہی ایک ماہر و ہوشیار قائد کرتا ہے، پھر جب آپ کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی ایک تعداد پیدا ہو گئی اور دوسرے قریبی شہر مدینہ میں اس کے لئے ماحول زیادہ سازگار معلوم ہوا۔ وہاں کی ایک تعداد ہمنوا ہو چکی تو آپ نے مناسب سمجھا کہ اب ہجرت کر کے آہستہ آہستہ قوت و طاقت کو بڑھایا جائے۔ یہ ایک دوراندیشانہ اقدام تھا جو ایک قائد صحیح — سوجھ بوجھ اور گرد و پیش کے حالات اور مستقبل کے امکانات کو سامنے رکھ کر کرتا ہے اور اس طرح اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی فکر کرتا ہے۔

اس وقت آپ جس پوزیشن میں تھے اس کی نزاکت کا یہی تقاضا تھا، نہ آپ دفاع کی طاقت رکھتے تھے نہ ابھی کوئی اسلامی مرکز قائم ہوا تھا اس سے قبل اپنے مخالفین سے نبرد آزما ہونا میدان جنگ میں اترنا سیاسی مصلحت کے منافی تھا، چنانچہ آپ نے مدینہ ہجرت کر کے وہاں اپنے کام کو جاری رکھا، دعوت دیتے رہے، ایمان لانے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ مدینہ پہنچ کر اسلامی عبادات آزادانہ طور پر ادا ہونے لگیں۔ مسلمان دھیرے دھیرے ایک طاقت بننے لگے۔ مخالفین اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ طاقت ان کو ایک نہ ایک دن زیر کرے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کا زور توڑنے کی سازشیں برابر ہوتی رہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ کر مطمئن نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ مخالفین کی ایک ایک نقل و حرکت سے واقف رہتے تھے برابر معلومات حاصل کرتے رہتے تھے، ایک فوجی کمانڈر یا قائد کرتا ہے یعنی اپنے سے بڑے اور زیادہ خطرناک دشمن پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے دوسرے چھوٹے اور نسبتاً کمزور دشمنوں سے صلح کر لیتا ہے تاکہ جب اسے بڑے دشمن سے معرکہ آرا ہونا پڑے تو ان چھوٹے خطروں کی طرف سے اطمینان رہے اور یہی وہ بنیاد تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے صلح کی، ابھی اسلامی طاقت اپنی ابتدائی منزلوں میں تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی اقدام بھی نہیں کیا۔ نزاکتوں کے پیش نظر آپ چھوٹے چھوٹے سریوں کو بھیجتے جن سے صرف دفاع اور حفاظت اسلام مقصود ہوتی، آپ کی دعوت کا حلقہ جیسے جیسے وسیع ہوتا جاتا تھا، مشرکین کی شرانگیزیاں بھی بڑھتی جاتی تھیں اس لئے کہ حق کے اس بڑھتے ہوئے اور پھیلتے ہوئے نور میں باطل کو اپنی موت کا حتمی اور قطعی سامان نظر آ رہا تھا، لہذا مشرکین مکہ اب مسلمانوں سے باقاعدہ جنگ آزمائی کی تیاری کرنے لگے، حق کا پیامی ایمان و یقین کی شمع روشن کرنے والا قائد ان ناپاک منصوبوں سے کسی لمحہ غافل نہ رہا۔ چنانچہ ان کے ناپاک ارادوں کا اندازہ لگا کر مدینے کے قریب رہنے والے قبیلوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور مشرکین مکہ جو اصل حریف اور کھلا ہوا خطرہ تھے ان کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی۔ لوگوں کو بھیج کر حالات کا خفیہ جائزہ لیتے رہے اس کے نتیجہ میں نخلہ میں قریش کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کا قصہ پیش آیا جو جنگ بدر کا فوری محرک ہو گیا اب وہ وقت آ گیا تھا کہ اضطراراً جنگ کرنا ہی پڑے تو یہ ماہر اور دوراندیش، اصول جنگ سے واقف قائد اپنی محدود و اسلحہ سے یکسر خالی فوج کو بھی میدان میں لا سکے۔

چنانچہ جنگ بدر میں اس مہارت کا صاف مظاہرہ ہوا کسی قائد کی مہارت و کامیابی کا راز دوربینی کے ساتھ ساتھ اس میں مضمر ہوتا ہے کہ جو فوج اس نے ترتیب دی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں لا رہا ہے اس میں اپنے جنرل و کمانڈر کے چشم و ابرو پر چلنے اور اپنے کو خطرہ میں ڈال دینے کا پورا پورا جذبہ و اعتماد پیدا ہو گیا ہو، نازک سے نازک موقع پر قدم نہ ڈگمگائیں، آپ نے جنگ بدر میں جن تھوڑے سے سپاہیوں کو دشمن کی بڑی اور اسلحہ سے لیس فوج کے سامنے اتارا تھا، وہ ان صفات سے پوری طرح متصف تھے چنانچہ جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو اس جانبازی سے لڑے کہ دشمن کثرت کے باوجود شکست کھا گیا

اس مدبر اصول جنگ کے ماہر قائد نے جس میدان میں اپنی فوج کو اتارا، وہاں دیگر جنگی تدابیر دل میدان جنگ کے محل وقوع دشمن کے حملوں کی سمتوں اور ضروریات کے علاوہ فوج میں خود اعتمادی اور جانثاری کی روح برابر کارفرما رہی۔

جنگ احد کو لیجئے جب آپ نے میدان میں اپنی فوج اتاری تو سب سے پہلے میدان جنگ کا جائزہ لیا۔ اور دیکھا کہ کس کس سمت سے دشمن حملہ کر سکتا ہے اس غور و فکر کے نتیجہ میں آپ نے پہاڑی پر جدھر سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ تھا پچاس سپاہیوں کو اس ہدایت کے ساتھ متعین کیا کہ یہ خطرہ کا مقام ہے تم کسی صورت میں یہاں سے نہ ہٹنا آپ کا یہ اقدام بڑا دور اندیشانہ اور دانشمندانہ تھا اگر کوئی قائد ان دوراندیشیوں سے عاری ہو تو بہت جلد میدان خالی کر دینا پڑے گا۔

کسی قائد و جنرل کا خود قوی الارادہ جری، اور بہادر ہونا ضروری ہے، کیونکہ اس کی ثابت قدمی پر پوری فوج کا انحصار ہوتا ہے، آپ میں یہ صفت بھی بدرجہ اتم موجود تھی، جنگ احد ہی میں جب پہاڑ کے دستے کی ادنیٰ کوتاہی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تھا، مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہارنے لگے تھے، عجب افراتفری کا عالم برپا ہو گیا تھا، تو آپ نے انتہائی ثابت قدمی جرات اور بہادری کا ثبوت دیا، ہر چہار طرف سے دشمن کا نرغہ تھا۔ تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی، مگر آپ میدان میں جمے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی بھاگتی ہوئی فوج اس نقشہ کو دیکھ کر پھر سے میدان میں ڈٹ گئی۔ اپنے قائد کی اس جرات کا منظر دیکھ کر وہ اس جانبازی عزم و حوصلہ کے ساتھ دشمن پر ٹوٹے کہ آن کی آن میں ہاری ہوئی جنگ جیت لی۔

فوج کے لئے اہم اور اولین چیز سامان رسد و سامان جنگ ہوتا ہے اس کے لئے اس نوعمر حکومت کے پاس ابھی کچھ نہ تھا، لیکن اس کے بغیر کام بھی نہ چل سکتا تھا اس لئے ان موقعوں پر مسلمانوں نے ذاتی طور پر اپنے مال سے فوج کی مدد کی تاہم دشمن کے مقابلہ میں اس کا کوئی وزن نہ تھا۔ ایسے حالات میں میدان جنگ میں اترنا بڑے دل گردے کا کام ہے غزوہ احزاب میں جب آپ نے اپنی مٹھی بھر فوج کو اتارا تو فوج کا سامان رسد نہ ہونے کے برابر تھا، مزید براں منافقوں کی ایک بڑی تعداد نے عین وقت پر میدان جنگ میں اترنے سے انکار کر دیا۔ یہ اتنا نازک موقع تھا کہ سپہ سالار کے اعصاب کام کرنا چھوڑ دیں، فوج کسی طرح آگے قدم نہ بڑھا سکے۔ مگر آپ نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت کی ذرا سی کم ہمتی دشمنوں کے حوصلے بلند کر دے گی۔ لہٰذا میدان میں اتر آئے، فوج کی کمی، دشمن کی طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدھے میدان میں اتر آنا، جنگ کرنا، غزوۂ بدر کی طرح فوج کو آمنے سامنے ترتیب دینا مناسب نہ سمجھا۔ صحابہ سے مشورہ کیا یہ بھی ایک ماہر قائد کی خصوصیت ہے کہ ہر جگہ اپنے ہی فیصلے نافذ کرے بلکہ ٹھنڈے دل سے فوج کے دیگر ماہرین سے بھی نزاکت کے اعتبار سے مشورہ لے لے، لہٰذا مشورہ میں یہ طے ہوا کہ خندق کھود دی جائے، اس کے اندر سے دشمن کا دفاع کیا جائے، یہ ایسا دانشمندانہ اقدام تھا کہ کثرت کے باوجود دشمن کو منھ کی کھانی پڑی، اور اس چھوٹی سی فوج کی دھاک جم گئی، اسی طرح سے باقی جتنے بھی مواقع آئے اس قائد نے ایسی بیدار مغزی جرات اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے ان جنگوں میں نماز کا مسئلہ زیادہ نازک ہوتا تھا یہ ایسا اسلامی فریضہ تھا جو کسی حال میں معاف نہیں، یہاں میدان کارزار میں کیا صورت ہو، اس کے لئے قائد نے یہ صورت نکالی کہ فوج کا ایک حصہ دشمن کے سامنے ہو ایک حصہ نماز سے فارغ ہو لے، جب یہ دشمن کے سامنے آ کر صف آرا ہو جائے تو دوسرا حصہ فریضہ نماز ادا کرے۔

ایک ماہر فوجی قائد موقع و نزاکت کے پیش نظر کبھی دشمن کی ناقابل قبول شرطوں کو بھی مان لیتا ہے کہ دوسرے موقع سے فائدہ اٹھائے، صلح حدیبیہ آپ کی اس دوراندیشی و مہارت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ مشرکین کے شرائط عقل کی روشنی میں بالکل ناقابل قبول تھے اس وقت مسلمان کمزور بھی کچھ زیادہ نہ تھے، مگر اس ماہر صاحب فراست قائد نے محسوس کیا کہ صلح کے نتائج جنگ سے زیادہ اچھے ہوں گے، آپ نے دشمن کے شرائط کو منظور کر لیا، اس کے نتیجہ میں جس شان سے مکہ فتح ہوا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، یہ ایک اہم فوجی اصول ہے کہ اپنی نقل و حرکت قوت و طاقت کا دشمن کو علم نہ ہونے پائے، آپ نے اس اصول کو برابر محفوظ رکھا، چنانچہ جب جنگ کے لئے روانہ ہوتے تو لوگوں کے علم میں سمت مخالف کو چلتے کہ دشمن کو شبہ بھی نہ ہو کہ یہ اس کے مقابلہ میں آ رہے ہیں، پھر اچانک دشمن پر حملہ ہو جاتا، یہ بھی ایک اہم فوجی اصول ہے کہ دشمن پر ایسے وقت میں گھیرا ڈالا جائے جب وہ غافل ہو، چنانچہ کئی موقعوں پر آپ نے علی الصباح [illegible] کیا جو بالعموم غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

یہ آپ کی اعلیٰ قائدانہ خصوصیات ہیں، جن سے آپ نے اپنے مخالفین پر فتح پائی، دشمن سے کبھی غافل نہ رہتے مسلمانوں کو برابر تیار کیا فرماتے، شوق بڑھانے کے لئے باہم مقابلہ کراتے، اور اس کی ترغیب دلاتے، فرمایا کہ قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہے کہ [illegible] گھڑیوں میں اسلام کی [illegible] تیر و سنان سے انجام دے سکتا ہے۔ آپ غور کریں تو صحابہ کرام میں یہی روح کارفرما نظر آئے گی۔

کسی قائد کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ جب کسی موقع پر دشمن کے قائد سے مخاطب ہو تو لب و لہجہ اور انداز گفتگو میں اپنی کمزوری نہ محسوس ہونے دے، پوری خود اعتمادی جرات اور ہمت کا مظاہرہ کرے، آپ میں یہ صفت پوری طرح سے موجود تھی آپ نے شاہان عالم کو جو خطوط لکھوائے وہ یقین و اعتماد سے بھرپور لب و لہجہ میں لکھوائے کہیں ادنیٰ جھجک نہیں محسوس ہوتی یہ ہے آپ کی قائدانہ صلاحیت کی ایک جھلک جو ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے تفصیل کے لئے ایک کتاب بھی ناکافی ہو گی، ذہنوں کی یہ خلش کہ آپ کی ساری کامیابیوں کا راز تائید خداوندی میں مضمر ہے، مجھے یا کسی صاحب ایمان کو اس میں ادنیٰ شک و شبہ نہیں، مگر خالق کائنات نے انسان کو جن جن صفات سے نوازا ہے دار الاسباب میں اختیار ہے ان کا ظہور اور [illegible] ہونا بھی ایک حقیقت ہے جس سے کسی وقت انکار نہیں کیا جا سکتا ورنہ اس قادر و جبار کے لئے کوئی مشکل نہ تھا کہ بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے سارے عالم کو دولت ایمان و یقین سے نواز دیتا۔

ہاں آپ جہاں سب کچھ تھے وہاں ایک مثالی قائد بھی تھے، اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا دعویٰ محقق و کامیاب نہ ہوتا۔ تلوار اٹھی تھی مگر ملک گیری و حکمرانی کے لئے نہیں بلکہ دنیائے انسانیت میں پھیلی ہوئی نابرابری، بے حیائی، فحش کاری، اونچ نیچ کی جڑ و جھنکار کو کاٹنے اور چھانٹنے کے لئے اسی لئے جب ہم عہد نبوی کی جنگوں کو بغور مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دشمن کو قابو میں کر لینے کے بعد دشمن کے ساتھ کسی زیادتی کا سراغ نہیں ملتا بلکہ ایسے افراد کو چھوڑ دیا جاتا ہے جو جنگی صلاحیت کے حامل نہیں جن میں عورتیں بچے بوڑھے اور عبادت گاہوں کے پنڈت مجاور وغیرہ شامل ہیں اور نہ کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے جس سے مفاد عامہ متعلق ہے اور نہ قیدیوں کو جبراً اسلام لانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ذمیوں کے حقوق کا مستقل ایک باب اسلامی اصول و ضوابط میں قائم کر دیا گیا ہے۔

آج ہم جس نازک دور سے گذر رہے ہیں اس میں اگر ہم سیرت طیبہ کے پہلو کو اپنا لیں تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے خصوصیت کے ساتھ لڑنے والے سپاہیوں میں وہ اعتماد و یقین ہو جو صحابہ میں تھا۔

ان بنیادوں پر ہم میدان میں آئیں تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں، ہماری ناکامی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم ان اصولوں اور بنیادوں سے عاری ہیں جن کو حضور اور صحابہ نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔

[illegible]

([illegible] القادری)

سائنس اور اسلام

مشرقی لندن کی ایک مسجد

از ذوالفقار غوث

جو ستر ہزار مسلمانوں کی جائے امان ہے

ایسٹ لندن مسجد کو سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی انیسویں صدی کی کوئی قدیم عمارت ہو. لیکن جب عمارت کے ابھرے ہوئے سیاہ رنگ کے بورڈ پر نظر پڑتی ہے تو نقرئی چاند اور چاند تارے کے طغرے کے نیچے "ایسٹ لندن مسجد" کے الفاظ نظر آتے ہیں اور یوں دیکھنے والے اس عمارت کی امتیازی حیثیت کا علم ہو جاتا ہے. یہ لندن میں اسلامی مرکز ہے. ایسا مرکز جو کسی دور دراز علاقے سے آنے والے مسلمان کے لئے جنت نگاہ اور لندن کے رہنے والے مسلمان کے لئے سجدہ گاہ اور روحانی فیوض کا منبع ہے جو ایسی جائے امان ہے جہاں دنیوی ہنگاموں سے نکل کر آنے والا مسلمان اپنے مولا کے حضور سربسجود ہو کر اپنے قلب ونظر میں ایمان کی نئی حرارت محسوس کرنے لگتا ہے.

یہ مسجد لندن کے وسط میں کمرشل روڈ پر واقع ہے. یہ وہی کمرشل روڈ ہے جسے شہر کے کاروبار کے لئے رگ جاں کی حیثیت حاصل ہے. شہر کا یہی وہ حصہ ہے جہاں زیادہ تر پاکستانی آباد ہیں. مشرقی لندن میں حلال گوشت کی فروخت سے لے کر کھیلوں کا سامان درآمد کرنے تک سبھی کاروبار پاکستانیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن پاکستانیوں کا یہ روحانی مرکز پاکستان بننے سے بھی بہت پہلے قائم ہوا تھا. ایسٹ لندن مسجد کی بنیاد ۱۹۱۰ء میں رکھی گئی تھی مسجد کی پہلی منزل کے کمیٹی روم میں ایک تختی لگی ہوئی ہے جس کے مطابق مسجد کے پہلے چیرمین رائٹ آنریبل سید امیر علی تھے. یہ مسجد جہازوں کی گودی کے قریب واقع ہے. اس مقام پر اس کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا کہ گاہے گاہے جو ہندوستانی مسلمان ملاح وہاں آیا کرتے تھے انھیں گودی کے قریب صوم وصلوٰۃ کی سہولتیں فراہم ہو سکیں. سید امیر علی کے ذہن میں یہ تصور بھی نہ تھا کہ مسلمان ملاحوں کے لئے بنائی جانے والی مسجد کبھی برصغیر کے ایسے ستر ہزار مسلمانوں کی قبلہ گاہ بن جائے گی جو مستقل وہیں آباد ہو جائیں گے. نہ ہی انہیں یہ معلوم تھا کہ اس مسجد کے موجودہ امام کو اتنی اہمیت حاصل ہو جائے گی کہ سارے لندن میں جہاں کہیں بھی کسی مسلمان کے ہاں ولادت ہو یا موت ہو یا کوئی

ہو یا غمی متعلقہ فرائض سے وہی عہدہ برآ ہوں گے. میں حال ہی میں جب یہ مسجد دیکھنے گیا تو پتہ چلا کہ امام الحاج تسلیم سعودی عرب گئے ہوئے ہیں ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیگم نے مجھے مسجد کا کونہ کونہ دکھایا! پاکستانیوں کی دلچسپی کے لئے بیگم تسلیم کے بارے میں چند باتیں ضرور عرض کروں گا وہ جب ویلز کے علاقہ پونٹی پول میں پیدا ہوئیں تو گھر والوں نے ان کا نام جوزفین میری مورگان رکھا. ۱۹۴۱ء میں جب ان کی ملاقات تسلیم صاحب سے ہوئی تو اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا. مشرف بہ اسلام ہونے کے بارے میں ان سے گفتگو کی جائے تو اس بات پر بہت زور دیتی ہیں کہ میں نے اسلام صرف تسلیم صاحب سے شادی کرنے کے لئے قبول نہیں کیا. اصل وجہ یہ تھی کہ تسلیم صاحب جو کتابیں پڑھا کرتے تھے میں بھی ان سے لے کر پڑھتی تھی اور انہی کتب کے مطالعہ سے میں اسلام کی طرف راغب ہو گئی. جب ان سے میری شادی ہوئی اس وقت وہ کوونٹری کے مڈلینڈز انڈسٹریل سنٹر کی ایک فیکٹری میں مشین آپریٹر تھے دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دونوں میاں بیوی پاکستان چلے گئے. پھر لندن واپس آ کر "سوہو" میں حلال گوشت کی دوکان کھول لی. یہ اس علاقہ میں اپنی نوعیت کی پہلی دوکان تھی. ۱۹۶۱ء میں دونوں نے ایسٹ لندن مسجد کا چارج سنبھال لیا. بیگم تسلیم نے مجھے مسجد کی سب سے نچلی منزل دکھائی جہاں نماز ادا کی جاتی ہے. یہ ایک کشادہ کمرہ ہے جہاں فرش پر مشرقی قالین بچھے ہوئے ہیں. اور ان قالینوں پر چاندنیاں پڑی ہوئی ہیں. اس کمرے میں مختلف شلفوں میں قرآن پاک کے متعدد نسخے رکھے ہوئے ہیں. بیگم تسلیم نے بتایا کہ روزانہ تقریباً پچاس افراد نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں. مسجد کے تہہ خانہ میں وضو وغیرہ کے لئے باقاعدہ صاف ستھری جگہ بنی ہوئی ہے. یہ جگہ انتہائی سرد اور تاریک تھی لیکن تسلیم اور ان کی بیگم نے اپنی کاوشوں سے اس مشکل صورت حال پر قابو پا لیا ہے.

ویسے تو انیسویں صدی کے کسی قدیم گھر کو جدید انداز کے فلیٹوں میں تبدیل کرنا ناممکن ہوتا ہے. بجائے کہ ایسی ہی قدیم عمارت کو مسجد میں تبدیل

کر کے پھر اس کی ضرورتیں بھی پوری کی جائیں. اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس مسجد کی دیکھ بھال کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے.

مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا صحن ہے. صحن کی دوسری طرف ایک آہنی چھت ڈال کر بڑا سا ہال بنا دیا گیا ہے. یہ ہال بالکل اسی انداز کا ہے جیسے طیاروں کے لئے ہینگر بنائے جاتے ہیں. اس ہال میں تقریباً ڈھائی سو افراد ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں. اس ہال کو عموماً جمعۃ المبارک اور عیدین کی نماز کے موقع پر اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب مسجد کی زیریں منزل میں نمازیوں کے لئے جگہ نہیں رہتی. سردیوں میں اس ہال کو گیس ہیٹروں کے ساتھ گرم کر لیا جاتا ہے. مجھے بتایا گیا کہ نماز سے ایک گھنٹہ قبل ہیٹر جلا دیئے جاتے ہیں. یہاں بھی قالینوں پر چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں.

یہ مسجد صرف نماز پڑھنے کے لئے ہی مختص نہیں ہے نہ ہی امام مسجد کا صرف یہ کام ہے کہ وہ صرف امامت کرے بلکہ اس علاقہ کے مسلمانوں کے دکھ درد میں بھی شریک ہونا پڑتا ہے. اسے دوست اور بھائی کی حیثیت سے دوسروں کے مسائل کو حل کرنے میں تعاون کرنا ہوتا ہے اور تبلیغ کرنا ہوتی ہے. سات سال قبل جب تسلیم صاحب امام مسجد ہوئے تو برطانیہ کی وزارت داخلہ نے انہیں مسلمانوں کے مسائل کے سلسلے میں اپنا مشیر بھی مقرر کر دیا تھا. یہی وجہ ہے کہ وہ امامت کے ساتھ ساتھ (جس کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے) مسلمانوں کو صلاح ومشورہ بھی دیتے ہیں اور ان کی مشکلات کو بھی حکام تک پہونچاتے ہیں. لندن کی اس گودی والے علاقے میں جب کوئی نووارد پاکستانی اجنبی صورت حال کے باعث کسی مشکل سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہی امام مسجد اس کے لئے خضر راہ ثابت ہوتے ہیں.

مسجد کے تمام اخراجات عطیات سے پورے کئے جاتے ہیں. مسجد کے سب سے بڑے معطی آغا خاں ہیں جو مسجد کے قیام سے لے کر اب تک باقاعدہ عطیہ دے رہے ہیں. ان تمام عطیات سے مسجد اور اس سے ملحقہ دو گھروں کا خرچ مشکل سے ہی پورا ہوتا ہے ان گھروں میں سے ایک کی آمدنی صرف

(باقی صفحہ ۔۔ پر دیکھئے)

مردانِ حق

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد ثانی حسنی

شاہ سید ابو سعید بن شاہ محمد ضیاء بن شاہ سید آیت اللہ بن حضرت شاہ علم اللہؒ

آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے اپنے آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہؒ میں پیدا ہوئے. والد ماجد مولانا سید محمد ضیاءؒ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تحصیل علم مولانا عبداللہ امیٹھوی سے کی. فراغت کے بعد وطن واپس ہوئے اور والد ماجد کے انتقال کے بعد اپنے عم محترم مولانا سید محمد صابر کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور ایک مدت تک ذکر وشغل کرتے رہے اور مجاہدات کئے، اپنے آباء وکرام کی نسبت اپنے والد کے خلیفہ شاہ محمد یونس سے حاصل کی. پھر دہلی حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک کی تحصیل کی. اور بشارت عظیمہ سے ممتاز ہوئے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ اجل حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی، حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے اجازت وخلافت کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث، فقہ، تصوف، نحو وصرف نیز سلسلے اعمال واشغال میں اجازت دی. شاہ ابو سعید صاحبؒ نے شاہ محمد عاشق پھلتیؒ سے تحصیل علم سلوک کے ساتھ مختلف فنون کی کتابیں بھی پڑھی تھیں اسی لئے استاذ وشیخ نے علم ظاہر وباطن دونوں میں اجازت دی.

آپ کی نسبت بہت قوی آپ کی صحبت بہت موثر تھی آپ کے ذوق وکمالات معارف کا اندازہ اس خط وکتابت سے ہوتا ہے جو آپ کے اور شاہ ولی اللہؒ کے درمیان ہوئی تھی اور آپ کی عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو شاہ اہل اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشق اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے آپ کے نام بھیجے ان حضرات نے اپنے خطوط میں کن القاب سے یاد کیا وہ ملاحظہ ہوں.

شاہ اہل اللہؒ نے تحریر فرمایا.

"بخدمت حقائق ومعارف آگاہ فضیلت وکمالات دستگاہ معدن فیوض ظاہر وباطن میر ابو سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ.

مولانا محمد عاشق پھلتی تحریر فرماتے ہیں. سیادت ونقابت مرتبت خلاصہ خودمان

حقائق ومعارف آگاہ فضائل دستگاہ میر ابو سعید سلمہ اللہ تعالیٰ.

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں.

حقائق ومعارف آگاہ فضیلت وکمالات دستگاہ السید الحسیب والنسیب النجیب النقیب السید ابو سعید الحسنی سلمہ اللہ واوصلہ الی اقصیٰ ما یتمناہ بل الی فوق مناہ. آمین.

ایک خط شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عربی میں تحریر فرمایا اس میں جن الفاظ والقاب سے شاہ ابو سعید صاحب کو خطاب کیا وہ ان کی فضیلت وبزرگی کی روشن دلیل ہے.

وسیم طویل الباع من آل احمد حوی قصبات السبق فی کل حلبۃ اعنی بہ السید المجید والشریف الاید طرۃ ناصیۃ السیادۃ غرۃ جبہۃ السعادۃ نبوی الاخلاق والمآثر علوی الاعراق والمفاخر، السید ابو سعید اکرمہ اللہ بشہودہ وافاض علیہ برکات آبائہ وجدودہ. الفقیر عبدالعزیز عفی عنہ یرفع الیکم التحیات الوافیۃ والدعوات الذاکیۃ بکرۃ وعشیۃ ویذکرکم مکارمکم السنیۃ ومناقبکم العلیۃ، آناء الصباح واطراف المساء علیک آثنی ثناء لا نفاد لہ واتمنی فی جناب ذی الفضل الجسیم والطول العمیم امنیۃ الاجتماع علی احسن الصور وآمن الاوضاع واللہ بفضلہ مجیب الدعوات، ہذا وقد مضی زمان طویل لم نطلع علی خبر من اخبارکم ولم نعرف اثرا من آثارکم ولا اکرمتمونا فی ہذہ المدۃ المدیدۃ بصحیفۃ وما کان ذالک ظننا بکم فارجو منکم ان لا تنسونا من لطیف مکاتبتکم فان المکاتبۃ نوع مواصلۃ والسلام.

شاہ ابو سعیدؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص لوگوں میں تھے. شاہ صاحب کے علوم وکمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صاحب کی زندگی میں استفادہ کیا ان میں آپ کو یہی ان کے پہلے طبقہ میں شاہ ابو سعید صاحب کا شمار ہے. حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو آپ سے کیا خصوصیت تھی اس کا اندازہ مولانا محمد نعمان کے اس خط سے ہوتا ہے

جو انھوں نے سید شاہ ابو سعید کو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شاہ صاحب کے سانحہ انتقال کی اطلاع کے لئے لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں

"بحمد اللہ حضرت مرحوم کی جناب سے رضامندی اور آپ کے حال پر آنجناب کی توجہات عالیہ نے جتنی باتیں وہ بیان میں نہیں آسکتیں اکثر اوقات جناب کے حالات دریافت فرماتے ابدالیوں کی غارتگری کا واقعہ آپ کا عین ہنگامہ میں پہونچ جانا لوٹ مار کی آگ کا فرو ہو جانا زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو آپ سے آخری ملاقات کا خیال تھا ایک مرتبہ فرمایا سید ابو سعید آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر جلد پہونچ جائیں تو بہتر ہے." (ترجمہ عبارت فارسی از خط سید محمد نعمان)

سید شاہ ابو سعید جود وسخاوت، مہمان وغرباء پروری میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ آیا گھر کے باہر رکھ دیا اور وہیں سے ضرورتمندوں کو تقسیم کر دیا. ان کا گھر کیا تھا ایک مہمان خانہ تھا سیکڑوں آتے اور سیکڑوں جاتے ان کے نام جو آتے یا بادشاہ کی جانب سے جو معافیاں ملی تھیں وہ سب غریبوں مسافروں اور مہمانوں پر خرچ ہوتیں تقریباً چالیس ہزار سالانہ حجاز میں خرچ تھا جس میں شیوخ اور متعلمین کی تنخواہیں اور دوسرے مصارف تھے مکہ اور مدینہ منورہ میں رباطیں تھیں. مدارس اور چینا پٹن میں آپ کا بڑا اثر اور رسوخ تھا اور آپ کا اکثر سفر رہتا ۱۱۸۶ھ میں اپنے مریدوں اور اصحاب کے ساتھ حج کا سفر کیا مکہ مکرمہ میں آخر صفر ۱۱۸۷ھ میں داخل ہوئے اور قیام کیا اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں چھ ماہ قیام کیا اور اقصائے حرم کی سمت شیخ ابو الحسن السندی کی مواجہ شریف کے سامنے بیٹھے اس عالم میں عجیب کیفیت وسرور محسوس کیا یہ حال طاری ہوا ایسا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور سامنے بیٹھ گئے تبسم فرمایا. شاہ ابو سعید یہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی. مدینہ طیبہ کے قیام کے بعد مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور شیخ محمد مرداد الحنفی

سیرت سید احمد شہید بحوالہ تذکرۃ الابرار

(باقی صفحہ ۔۔ پر دیکھئے)

رفتارِ زمانہ

کل — اور — آج

حافظ سید حبیب الرحمٰن حسنی

ایک زمانہ تھا کہ لکھنؤ کے شعراء نے رامپور کو مرکز بنایا۔ امیر اللہ تسلیم، امیر رضا، ضامن علی جلال، امیر مینائی، امیر یہاں پہنچ گئے۔ نواب کلب علی خاں کی سخاوت و سخن فہمی سے وطن سا بن گیا۔ ہر طرف شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ رامپور نے امیر مینائی کو آنکھوں میں بٹھایا۔ وہاں کے لوگ ہمارے امیر کہتے تھے۔ مشاعرہ گرم رہتا تھا۔ ایک دن مشاعرہ گرم تھا امیر مینائی کی باری آئی مطلع پڑھا ہی تھا کہ مشاعرہ بے خود ہو گیا اسی شعر نے وہ لطف دیا کہ ان کے شاگرد اس شعر کی برابر تعریف کرتے رہے۔ ؎

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

لوگ سر دھنتے تھے اور انھوں نے بعد میں مشاعرہ بھی بے خود ہو جاتے تھے مگر اب دور اور ہے۔ اسی زمانہ کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

مری تحریر کوئی پردہ پوش آتا ہے
چراغ گور غریباں صبا بجھا دیتا

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اسی قسم کے شعر پسند کئے جاتے تھے فارسی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

یعنی جس لباس میں رہو میں تمہارے قد کو پہچانتا ہوں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بیبیاں نظر نہ آنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اب وہ دور ہے جس کو اکبر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

علم مغرب پڑھ کے ہوں گی ایسی خود سر بیبیاں
بیبیاں شوہر بنیں گی اور شوہر بیبیاں

نئی تعلیم کو کیا کہ بقول حضرت اکبر ؎

میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
جب آزادی کو بڑھتے دیکھے تو یہ رباعی کہی
بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

ابھی تہذیب کا دور ... ہوا اور ... لکھنوی

نے ایک غزل غالباً ۱۹۳۵ء میں پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

دنیا کا ہر اک لقمۂ الم نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

بڑی داد دی۔ اس کو ۳۶ برس ہو گئے۔ انقلاب پر انقلاب آیا۔ یہ شعر اب بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث میں کوئی فرق نہیں رہا۔ سر سے پیر تک عورت اور مرد جیسے کپڑے پہنتے ہیں۔ سنیما کے ایکٹر اور ایکٹرس کی نقل کی جاتی ہے۔ یہ انحطاط ہے یا ترقی؟ ہاں ظریف صاحب پھر ایک شعر فرماتے ہیں ؎

بڑھے گی روشنی جتنی خود اٹھ جائیگا سایہ
نظر آنے لگی ہر شے اس کی جلوؤں کی فراوانی

ایک اور شعر ہے جس کا یہ مصرع ہے:

ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوق عریانی

کتنی صحیح تصویر کھینچی ہے جس بات کی ظریف صاحب نے ہنسی اڑائی ہے اب وہ حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے۔ حالی نے بہت پیشتر کہا تھا کہ ؏

عیب بھی جیل کر ہنر ہو جائے گا

اب کوئی عیب عیب نہیں رہا۔ ہنسی اڑائی جاتی ہے پرانے شعروں پر کہ وہ ہوشیار کر رہے تھے۔ شعروں پر تنقید کرتے ہیں کہ گل و بلبل کے سوا کچھ نہیں یہ نہیں غور کرتے کہ شاعر کیا کہہ جاتا ہے مثلاً مصحفی لکھنوی کا یہ شعر ہر زمانے کے لئے درست ہے ؎

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

اب مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ اس لئے اخلاق پست ہو گئے ہیں۔ اساتذہ کی قدر مٹ گئی ہے اساتذہ شاگردوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح پہلے شاگرد استاد سے ڈرتے تھے کہا جاتا تھا غزلوں میں رکاکت بھی ہوتی ہے مگر کیا سنیما کی حد تک؟ جرات کے اشعار کو سوقیانہ اور بازاری کہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے بھی ہیں مثلاً ؎

لگ جا گلے سے تاب اب لے نازنیں نہیں
ہے ہے خدا کے واسطے مت کر نہیں نہیں

مگر اس سے بدرجہا زیادہ فلم میں نظر آتا ہے۔ اشعار سے اخلاق بگڑتے ہیں اور فلم سے بنتے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ!! ڈھیر کھانا اور کھلانا سیکھو فلم سے، چوری، ڈکیتی سیکھو فلم سے، آبرو ریزی سیکھو فلم سے، کتنے لڑکوں

کے اخلاق بگڑ گئے، کتنوں نے چوری سیکھی۔ آزادی کا سبق یہیں ملتا ہے۔ اب لندن کی تقلید میں ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک کلب برہنہ لوگوں کا جن کی نمائش ہونے لگی ہے۔ حسن کا مقابلہ ہونے لگا ہے۔ برہنہ ہونے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔ جانچ کرنے میں کچھ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ پھر ہندوستان میں اول آئیں تو امریکہ پہونچیں۔ وہاں سے پژمردہ اور ملول پلٹیں۔ مگر عجیب خدا کے کرشمے ہیں اکثر ملکۂ حسن کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ غرض دیکھیں کہ یہ نئی تہذیب کہاں جا کر ٹھہرے ابھی تو بڑھ رہی ہے ہر برس گذشتہ برس سے نمایاں فرق رکھتا ہو تیزی سے تنزلی ہو جسے ہم ترقی کہتے ہیں خوب اکبر نے کہا ہے ؎

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ایک زمانہ تھا کہ زہر عشق چھپنا بند ہو گئی تھی اور اس کا کھیل ممنوع قرار دیدیا گیا تھا اور اب کیا ہے اس سے کہیں زیادہ جوشیلی فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں وہیں اپنی محبوبہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ امریکا یا لندن میں ایک سنیما میں ایک صاحب اپنی بیوی کی تلاش میں پہونچے اور آواز دی گئی کہ ایک صاحب اپنی بیوی کی تلاش میں آئے ہیں اب سنیما ختم ہوتا ہے تو جتنی عورتیں تھیں دوسرے راستے سے نکل گئیں اور کوئی عورت سنیما میں نہ رہی ہال بالکل خالی تھا۔

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے سنیما ممنوع ہو اور اسکول میں ہر درجہ میں ہندو کے لئے اخلاقیات اور مسلمانوں کے لئے دینیات ہو کسی مذہب میں برائی کو اچھا نہیں بتایا گیا مذہبی درسگاہوں میں برائیاں انگریزی اسکولوں سے آئی ہیں۔ جب ہوا بری چلتی ہے تو کسی کو نہیں چھوڑتی۔ اور جہاں برائی کی اشاعت ہوتی ہو تو پھر گریز ناممکن بچنا از حد مشکل

منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف اور
خوشخط تحریر کریں
خریداری نمبر کا حوالہ
ضرور دیں

"اسکے زمانے عجیب اسکے فسانے غریب"

تحریر: علی طنطاوی
ترجمہ شمس الحق ندوی

پہلا منظر

رات پرسکون اور خاموش تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سمرقند کے ہر ذی روح پر خواب کا عالم طاری تھا، ہر طرف ظلمت و تاریکی کا راج تھا اس ہو کے عالم میں وہ اپنی منزل کی طرف تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا نہ قدم رکتے تھے، نہ نظر ادھر ادھر ہوتی تھی تا آنکہ قصر شاہی کے سامنے جا پہونچا شعلہ بار اور غضبناک نگاہ سے اسلامی قلعہ کو دیکھا اور الٹے پاؤں برق رفتاری کے ساتھ واپس ہوا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اس کے کانوں میں جنگلی جانوروں کی ڈراونی آوازیں گونج رہی تھیں پورا جنگل خوف و ہراس اور ظلمت و تاریکی کے اتھاہ

سے نکلتا ہوا نظر آیا اسے دیکھ کر اس کا جسم خوف سے بھر اٹھا لیکن اسے ایک انسانی آواز سنائی دی جیسے ساتھ آجاؤ، اس نے سمجھا کہ یہ معبد کا چوکیدار ہو، اس کے ساتھ چلا معبد کے تصور سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس کے سامنے ایک طویل اور عجیب راہداری تھی جس میں ہیکل کے منقش چراغوں سے روشنی ہو رہی تھی ان چراغوں سے نکلنے والی نیلگوں شعاعیں دیواروں پر عجیب عکس ڈال رہی تھیں، سرنگ میں ان کے جتوں کی انتہائی بھونڈی اور ڈراونی مورتیاں آویزاں تھیں جن کی آنکھوں سے آگ کے شعلے سے نکلتے معلوم ہوتے تھے یا ایسا کریہہ

سوا کوئی صورت نہیں کہ ہم اپنا آخری تیر چھینکیں۔ وہ یکہ القوم کا بادشاہ منصعت ہو جو دمشق میں رہتا ہو ہم سب نے طے کیا کہ اپنے قاصد کے ذریعہ اس تک شکایت پہونچائیں جو ہم پر ظلم ڈھائے گئے ہیں یہ قاصد ان کو اچھی طرح کھل کر اس کے سامنے بیان کرے پھر دیکھیں وہ کیا کرتا ہے، چونکہ تم عربی جانتے ہو، جری اور بہادر ہو اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ تم اس مہم پر جاؤ۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ کاہن نے سوال کیا۔ اس نے کہا ہاں میں تیار ہوں۔ کاہن نے کہا خداؤں کے سہارے جاؤ۔ وہ معبد سے نکلا تو خوشی سے اس کے

اسلامی عدل وانصاف کا ایک عجیب واقعہ جب قاضی کے فیصلہ پر فوج شہر چھوڑ کر چلی گئی

سمندر میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اس کو اپنے مقصد کی دھن میں کسی چیز کا احساس نہ تھا، ہر خطرہ سے بے فکر وہ اپنے راستہ پر بڑھتا گیا۔ ایک چٹان کے پاس پہونچ کر جو ایک معبد کے دروازے پر تھی وہ اچانک رک گیا، دل میں ایسی گھبراہٹ اور دھڑکن پیدا ہوئی جو جنگل میں بھی نہ تھی، وہ بچہ نہ تھا کہ سائے سے ڈرتا نہ بزدلی اس کی فطرت میں تھی، مگر بچپن سے معبد کے بارے میں جو خیالات و تصورات اس کے دل میں جاگزین کر دیئے گئے تھے، اس سے ترساں و لرزاں رہتا تھا، وہ بہادر جواں مرد تھا مگر معبد کے اسرار کا جو تصور اس کے ذہن میں قائم کر دیا گیا تھا اس کی وجہ سے وہ آنکھ اٹھانے کی بھی تاب نہ رکھتا تھا۔

اس سے قبل وہ معبد میں کبھی داخل بھی نہ ہوا تھا۔ اور داخل ہوتا بھی کیسے؟ معبد میں تو وہی بوڑھے لوگ جا سکتے ہیں جنھوں نے طرح طرح کی عبادت و ریاضت کر کے اپنے کو اس کا اہل بنا لیا ہو، اس کے دل میں اہل معبد کا رعب و جلال بھی بیٹھا ہوا تھا ان سے عقیدت و محبت بھی تھی دیر تک لیت و لعل میں گھرا رہا، مگر معبد میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی، اندھیرے میں نگاہیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو ایک بڑے سر لانبی سفید داڑھی والا شخص زینہ

دھوئیں کا منظر تھا کہ بڑے بڑوں کے دل دہل جائیں۔ سرنگ پار کر کے چٹان کے اندر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے کمروں سے گذرتا ہوا وہ کاہنوں کے بڑے ہال میں داخل ہوا جنھیں دیکھنا صرف قوم کے بڑے خوش نصیبوں کو میسر آتا ہے۔ حقیقتاً یہی ملک کے بادشاہ اور حاکم تھے، انہیں کا فرمان چلتا تھا جو ذرا بھی ان کی مخالفت کی جرأت کرتا وہ معبد کے ان کریہہ المنظر خداؤں کی لعنت کا سزاوار ہو جاتا۔ یہاں پہونچ کر اس پر خوف و ہراس کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنے ارد گرد نظر ڈالنا بھی مشکل ہو گیا اور اچھی طرح کاہنوں کو دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی پھر ایک دھیمی مگر خوفناک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی جیسے وہ خواب میں کچھ سن رہا ہے۔ اس نے یہ سمجھا کہ بات کرنے والا سمرقند کی گذشتہ تاریخ اور اس کے عہد زریں کا ذکر کر رہا ہے۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ یہ مسلمان ایک بلائے ناگہانی کی طرح ان پر نازل ہوئے اس کے جاہ و جلال کو خاک میں ملا کر اس کے حاکم و مالک بن گئے پھر ان دسیسہ کاریوں کو بیان کرنا شروع کر دیا جو مسلمانوں کے دین و اخلاق کو بگاڑنے اور ان میں اختلاف ڈالنے کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ بولنے والا کہنے لگا اب اس کے سوا کوئی

پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اس کو ایسا لگا دیرینہ محسوس ہوتا کہ جیسے پر لگ گئے ہوں رات کی تاریکی اس کو صبح درخشاں معلوم ہو رہی تھی۔ معبد میں داخلہ اور کاہنوں سے گفتگو اس کے لئے سعادت اور بہت عظمی تھی۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا میرے یہ نصیب کہ کاہنوں کا معتمد علیہ اور ان کا ہمراز ہوں۔ اس اہم ترین ذمہ داری کا اہل مجھ کو سمجھا گیا، سمرقند کی آزادی، عزت و شرف کا ضامن اس کا وکیل و نجات دہندہ میں ہوں؟ جوش شجاعت و بہادری میں آرزو کرنے لگا کہ کاش ان لوگوں نے مسلمانوں سے جنگ اور ان کو اس ملک کی نکالنے کی ذمہ داری اسے سونپی ہوتی۔ اس غریب کو مسلمانوں کی قوت و طاقت اور ان کے ملک کی مثال و شوکت کا اندازہ نہیں تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ پورا سمرقند ان کی حکومت کے سامنے اس چھوٹے نالے کی طرح ہے جو سمندر پر غالب آنے کا خواب دیکھے، پھر قطرۂ آب کی طرح اسی میں گم ہو کر رہ جائے۔

دوسرا منظر

اس کے قدم دمشق کی طرف چل پڑے جنھوں اور جنھوں اسلامی سلطنت کی بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی کے بعد بھی وہ ہنوز پایۂ تخت تک پہونچا

تھا، سمرقند سے بخارا، بلخ، ترمذ، ہرات، موصل، حلب، دمشق تک خوشحالی دولت، تہذیب و تمدن، حسن و جمال سے بھرپور بستیاں ایک تھے اور پھر ایک سمرقند سے وسیع و پرشوکت، کسریٰ و خاقان کے ملکوں کے سامنے سمرقند کی حیثیت کیا تھی؟ کسریٰ و خاقان کی حکومت کا اب وجود کہاں، ان کو تو ایک چھوٹے سے شہر مدینہ نے نگل لیا۔ یہ چھوٹا سا گاؤں جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں نے حرکت دی تو اس نے ایسے ایسے جواں مردوں اور بہادروں کو جنم دیا جو زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور اس کا اکثر حصہ زیر نگیں کر لیا۔ اس گاؤں کی ریت نے شام، عراق، فارس، خراسان کے سبزہ زاروں کو وجود بخشا۔ یہ ایسے شاداب و لہلہاتے ملک ہیں جن کی مثال نہیں۔ یہ سمرقندی جیسے جیسے بڑھتا اسلامی سلطنت کی ایک نئی دنیا دیکھتا، اور جب خلیفہ کی ملاقات کا تصور آتا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔

تھیوں سفر کی منزلیں طے کرنے کے بعد ایک دن اس نے یہ آواز سنی کوئی ہے دمشق جانے والا۔ وہ سوچنے لگا کہ خیر و سعادت اور فرحت و سرور کا مرکز اور دنیا کا محافظ یہی دمشق ہے؟ تقویٰ و بلندی، عزت و استغنا، جلال و جمال کا مرکز یہی ہے کیا — یہیں سے وہ آواز بلند ہوئی جو نغمۂ داؤدی بن کر حسن قبول حاصل کرتی ہوئی اس کے ملک سمرقند تک بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسپین تک پہنچ گئی۔ یہیں وہ شخص رہتا ہے جو زمین کے اتنے وسیع حصے کا حکمراں ہے جس کے مالک قیصر و کسریٰ، اسکندر و خاقان بھی نہیں تھے۔ چین کے پہاڑوں سے لے کر بحر ظلمات تک اس سے آنکھ ملانے والا اب کوئی نہیں۔ اس کی بارگاہ میں حاضری کیوں کر ہو سکے گی میں اجنبی اور پردیسی ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی اس پر مایوسی چھا گئی، رات ایک سرائے میں بسر کی۔

صبح ہوئی تو نیا سب سے اچھا لباس پہنا اور بادشاہ سے ملنے کے لئے نکلا، چلتے چلتے ایک شخص سے مڈبھیڑ ہو گئی، شاہی محل معلوم کرنے کا ارادہ کیا، اتنی وسیع مملکت کے بادشاہ کی ملاقات کے تصور سے جگر کانپ اٹھا، سوچنے لگا کہ کسریٰ و قیصر کی حکومتیں اس کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھیں، مگر ان سے ملنے کے تصور سے دل دہل جاتے تھے، لرزہ طاری ہو جاتا تھا، معمولی معمولی باتوں پر گردنیں ماری جاتی تھیں، بادشاہ تک ان کے در پر کھڑے رہتے تھے۔ اس تصور کا آنا تھا کہ ہوش اڑ گئے گھبراہٹ میں اس کا ہاتھ سر پر چلا گیا۔ اس کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کی گردن اڑائی جا چکی ہے، سر دھڑ سے الگ ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کی بہادری و جوانمردی ہوا ہو گئی اور خلیفہ سے ملے بغیر اپنے وطن لوٹنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے دل میں آیا کہ کسی آفت ناگہانی سے قبل جس میں اس کو کچھ حاصل نہ ہو، نہ ملک کو آزاد کرا سکے، نہ کاہنوں کو خوش کر سکے، واپس ہونا بہتر ہے۔ انھیں پریشان خیالوں میں کھویا ہوا بے سوچے سمجھے قدم بڑھانے لگا، جب کسی محل کے پاس پہونچتا تو سمجھتا کہ یہی بادشاہ کا محل ہے، آگے بڑھتا رہا، آخر میں ایک ایسے پرشکوہ محل پر اس کی نگاہیں مرکوز ہو گئیں جو سب سے نرالا اور انوکھا تھا، شارع عام سے بھی چوڑا اس کا گیٹ اونچی محراب، رنگا رنگ نقش و نگار سے مزین، عمارہ سفید سنگ مرمر کے دو ستونوں پر قائم ہے، اسے یقین ہو گیا کہ یہی قصر شاہی ہے۔ اس نے بے روک ٹوک لوگوں کو اندر جاتے دیکھا، تو اس کی ہمت بڑھی، خود بھی داخل ہونے کا ارادہ کیا، ذرا جھجکا پھر رک جانا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اسے کوئی روکتا نہیں تو دل کو ڈھارس بندھی، اندر پہنچا، پھاٹک پار کر چکا تھا، ادھر ادھر نظر پھیری تو ایک وسیع صحن میں تھا، اتنا وسیع کہ آدمی ایک کنارے پر ہو تو دوسری طرف کے آدمی کو اچھی طرح پہچان نہ سکے، فرش شیشے کی طرح چمک رہا ہے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اونچی عمارت اس نے کبھی دیکھی نہ تھی دیواروں کے نقش و نگار نگاہوں کو خیرہ کر رہے ہیں، صحن کے بیچ میں ایک بڑا حوض ہے، فوارے چل رہے ہیں جب ان پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو عجیب دیدہ زیب اور دلفریب منظر ہوتا ہے۔ صحن سے آگے بڑھا ایک ہال میں داخل ہوا جو وسعت میں صحن سے کسی طرح کم نہ تھا اور حسن و خوبصورتی میں اس سے بڑھ کر جیسے موسم بہار شباب پر ہو، چھت محراب دار مرمری ستونوں پر قائم ہے، چھت سے چاندی کی زنجیروں میں شمعدان آویزاں ہیں۔

بے خبری میں قدم بڑھتا گیا، کچھ پوچھ گچھ نہ کیا کرے۔ اتنے میں وہ ایک شخص سے ٹکرا گیا جو نماز میں مشغول تھا اٹھ بیٹھ رہا تھا۔ اس شخص نے دائیں بائیں دیکھا اسلام پھیرا پھر اس کی طرف نظر کی تو اجنبی — نامانوس شکل نظر آئی۔ قبل اس کے وہ کچھ کہے یہ خود ہی گھبرا کر بولا، میں ایسے سمرقند سے آیا ہوں۔ بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں، پھر چونکا، بادشاہ کا نام پھر اس طرح بغیر آداب و القاب کے لے لیا۔ غضب ہو گیا! ابھی یہ شخص مجھے پولیس کے حوالہ کر دے گا، مگر اس نے دیکھا کہ وہ چپ ہے جیسے اس نے کوئی ناگوار بات سنی ہی نہیں۔ اس نے بڑی سادگی اور نرمی سے کہا کیا تم کو بادشاہ کا محل بتا دوں؟

کیا یہ بادشاہ کا محل نہیں ہے؟ اس نے سوال کیا۔ نہیں یہ بادشاہ کا محل نہیں، یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہ مسجد ہے، تم نے نماز پڑھ لی؟ نماز پڑھ لی! یہ کیسے نماز پڑھتا اس غریب کو تو معبد کے اسرار کے سوا کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں معبد کی مکروہ و ڈراونی شکل بجلی کی طرح گھوم گئی، دل ہی دل میں سوچنے لگا اس حسن و جمال اور چمک دمک کے سامنے معبد کی کیا حیثیت! جہاں دن میں بھی رات رہتی ہے۔

پہلی بار اسے اپنے مذہب کے بارے میں شک ہوا۔ اتنے میں اس نے پھر پوچھا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو نماز نہیں پڑھی؟ نماز کسے کہتے ہیں؟ نمازی نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے۔

میں سمرقند کے کاہنوں کے مذہب کا پیرو ہوں۔ ان کا کیا مذہب ہے؟ میں نہیں جانتا، اس نے جواب دیا۔ اس نے پوچھا تمہارا خدا کون ہے؟ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا معبد کے ڈراونے خدا۔ تمہارے خدا دکھ درد میں تمہارے کام آتے ہیں؟ نہیں! اس نے جواب دیا۔ نمازی نے دعوت اسلامی سے ناواقف دیکھ کر دین کی بنیادی و اصولی باتیں لطف و محبت سے بھرپور لب و لہجہ میں آکے دل میں اتار دیں۔ اپنے ملک کی آزادی کا خواب دیکھنے والا یہ سفیر سمرقند چند لمحوں کے اندر معبد کے منحوس کریہہ المنظر خداؤں کے پھندے سے آزاد ہو کر، اسلام قبول کر چکا تھا۔ جن نے ان عربوں کو جنھیں بکریاں چرانا بھی نہ آتا تھا۔

اچھا چلو تمہیں خلیفہ کا گھر دکھلا دیں۔ آگے پیچھے دونوں روانہ ہو گئے۔ سمرقندی کے ذہن میں محاسن اسلام کی تصویریں گردش کر رہی تھیں اس کی نگاہوں سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ اسلامی فتوحات، قوت و طاقت کا راز کھل گیا جس کا کوئی طاقت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سوچنے لگا کہاں یہ دین جو اپنے ہر پیرو کو کاہن و بزرگ بناتا ہو، کہاں معبد کا معمہ؟ جب اس کے ساتھی نے ایک معمولی جھونپڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ہر طرح کی زیبائش و آرائش سے خالی تھا کہا یہ خلیفہ کا گھر ہے، تو بڑی حیرت کے ساتھ اس نے سوال کیا۔ یہ خلیفہ کا گھر ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ شاہی محل رعیت کے معمولی لوگوں کے گھروں سے بھی گیا گزرا ہو، اس نے سمجھا کہ وہ اسے بیوقوف بنا رہا ہے، مگر اس کا سنجیدہ لب و لہجہ دیکھ کر آگے بڑھا۔ اسے یقین اب بھی نہ تھا جھونپڑے کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ ایک عورت مٹی گوندھ رہی ہے اور ایک آدمی مٹی سے گھر کی دیواروں کو درست کر رہا ہے، غصہ سے بھرا ہوا الٹے قدم واپس ہوا، جھنجھلا کر کہنے لگا مجھ سے جھوٹ بولنے اور مذاق کرنے میں آپ کو کیا مزہ آیا! میں آپ سے خلیفہ کا محل پوچھتا ہوں، آپ مجھے کمہار کا گھر بتا رہے ہیں، اس نے تعجب سے کہا: کمہار کون؟ اس نے کہا یہ گھر والا، تیری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں خدا کی قسم یہی امیرالمومنین ہیں، روئے زمین پر ان کا کوئی ثانی نہیں، یہ عورت ان کی بیوی ہے، تمہیں خبر ہے کہ عورت کون ہے؟ یہ خلیفہ کی بیوی، خلیفہ عبدالملک کی بیٹی، دو بڑے بادشاہ سلیمان و عبدالملک کی بہن، ہشام و یزید کی بہن، خود خلیفہ عہد خلافت سے پہلے بڑے خوشحال تھے خوش پوش ہمہ وقت معطر رہتے تھے لیکن جب بار خلافت سنبھالا تو اس حال میں ہیں کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، تم جاؤ ان کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اپنی شکایت پیش کرو، ڈرو نہیں

وہ ظالم و متکبر نہیں نرم مزاج، سادگی پسند ہیں۔ اگر وہ شکایت کو صحیح سمجھیں گے تو تمہارے حق میں فیصلہ ہوگا کوئی طاقت ان کو اس سے روک نہیں سکتی۔

تیسرا منظر

سمرقندی پھر جھونپڑے کی طرف دھیرے دھیرے رکتا اور ٹھٹھکتا ہوا چلتا ہو، ہمت و جوانمردی کا جذبہ انگڑائی لیتا تو قدم بڑھانے لگتا، پھر شک و شبہ کا طوفان اٹھتا ہے تو رک جاتا ہے اس کی نگاہوں میں سمرقند کے بادشاہوں کا جلال، ان کے محل کی شان و شوکت دربانوں و چوکیداروں، کھنچی ہوئی تلواروں، تنے ہوئے بھالوں کا نقشہ گھومنے لگتا پھر اس جھونپڑے کو دیکھتا تو شک بڑھ جاتا۔ یہ غریب تو ایسے ہی بادشاہوں کو جانتا تھا جن کی حکومت ظلم و جور، قتل و خونریزی پر قائم تھی۔ رعیت رضا سے نہیں خوف سے مطیع ہوتی تھی۔ ایسا بادشاہ جو منصف و عادل ہو رعیت بہ رضا و رغبت ہر بات پر سر تسلیم خم کرتی ہو اس کے تصور سے بالاتر تھا اپنے ملک میں کبھی یہ تصویر نظر ہی نہ آئی تھی۔ یقین کر لی کہ یہ بادشاہ کا گھر نہیں ہے۔ پھر لوٹ آیا اور قسم دے کر پوچھا سچ بتائیے کیا یہی خلیفہ کا محل ہے۔

(نمازی) ہاں ہاں بھائی یہی خلیفہ کا محل ہے! یہی وہ شخص ہے جس کی قوم کی تلوار نے کسریٰ و قیصر، خاقان و فرعون جیسے بادشاہوں کے تاج چھین لیے، اس کا سر ان کے تاج سے بلند تھا، لہٰذا عمامہ سر پر رکھا جو عربوں کا تاج ہے یہ وہ بادشاہ ہے جس کے پاس زمین کے خزانے سمٹ آئے اس نے اس کے دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے، فقیروں کو جواہرات عطا کئے، محتاجوں میں موتی لٹائے اور خود محتاج و فقیر رہا۔ اس لئے کہ اس کا دل اس سے بے نیاز و غنی ہے اس کی پرواز اس جہاں سے پرے ہے، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتا وہ عشق و مستی کے اس مقام پر ہے جہاں سے یہ عالم خاک کا ڈھیر نظر آتا ہے۔ اسلام رہبانیت کا قائل نہیں اس لئے وہ دنیا کے جھمیلوں میں رہتے ہوئے دنیا سے بے نیاز مگر اس کا پاسبان ہے۔ اس کے سیاہ سفید کا مالک ہو، اپنے لئے نہیں خلق خدا کے لئے، اپنی ذات کے لئے دنیا سے بے تعلق ہے، مگر رعیت کے لئے حکیم مدبر ہے، بہادر ہے، ادیب ہے، اپنی عقل اور سوجھ سے اس وسیع ملک پر حکومت کرتا ہے، اس کے مسائل و معاملات، آمد و خرچ، اندرونی بیرونی، معاملات جنگ و صلح، سب کی دیکھ بھال کرتا ہے، یہی قائد و رہبر ہے یہی مفتی و مزکی ہے۔

اس نے خوبی کے ساتھ حکومت کا نظم چلایا کہ امن کا دور دورہ ہو گیا ہے، بغاوتوں کی بیخ کنی کر دی مخالفین نے سپر ڈال دی، حکومت بنی امیہ پر تنقید و نکتہ چینی کرنے والوں کی زبانیں تلواروں سے نہیں بلکہ عدل و انصاف سے بند کر دیں امت کے ہر طبقہ کو ایک لڑی میں پرو دیا، شیر و بکری ایک گھاٹ میں پانی پینے لگے، تمھیں معلوم ہے، جس دن وہ خلیفہ ہوئے ہیں، خلیفہ سلیمان کو دفن کر کر واپس ہو رہے تھے، کہ گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں، پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ خلافت کی سواریاں ہیں آپ سوار ہو جائیے۔ گھوڑوں پر سنہری زینیں کسی ہوئی تھیں، ان میں جواہرات جڑے ہوئے تھے، فرمایا انہیں ہٹا دو مجھے تو میرا خچر لا دو ان سواریوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں جمع کر دو، خود ایک عام شخص کی طرح لوگوں کے ساتھ منبر پر آکر فرمایا لوگو! میری طلب و خواہش کے بغیر خلافت عامۃ المسلمین سے مشورہ کے بغیر مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے میں نے اپنی بیعت ختم کر دی ہے تم لوگ خود اپنی رائے سے اپنا امیر منتخب کر لو، چاروں طرف سے آواز بلند ہوئی ہم نے آپ ہی کو اپنا امیر منتخب کیا۔ مسجد سے نکل کر شاہی محل خضرا آئے، خضرا، جنت ارضی جس میں تمام انواع نعمت موجود تھے، اس کے سارے ساز و سامان کو بیچنے کا حکم دیا، اس کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی لوگوں نے سمجھا گھر میں گوشہ نشین ہو کر ذکر و تسبیح میں لگ جائیں گے، مگر آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ اسی وقت قلم قرطاس لے کر بیٹھ گئے اور بجائے خود حکام و گورنروں کے نام حکومتوں کو ایسا منشور بھیجا کہ جس کے بغیر ملک باقی نہیں رہ سکتا تھا، صبح سے چاشت کے وقت تک اس میں مشغول رہے۔ قیلولہ کرنے کے لئے لیٹے ہی تھے کہ صاحبزادہ عبدالملک داد خواہوں کی درخواست لے کر پہونچے، یہ کہہ کر کہ رات بھر چچا سلیمان کے انتقال کے سبب بہت جاگا ہوں، ظہر تک مقدمات کو موخر کرنا چاہا جب صاحبزادے نے کہا کہ اس وقت تک زندہ رہنے پر یقین رکھتے ہیں؟ تو فوراً اٹھ گئے اور اعلان کروایا کہ جو لوگ شکایات کرنا چاہتے ہوں حاضر ہوں میں بنفس نفیس خود فیصلہ کروں گا اور اپنے جان و مال سے بڑھ کر انصاف کروں گا اور یہی کر کے دکھلایا۔

یہی خلیفہ کا گھر ہے؟ اس کا چھوٹا اور معمولی ہونا زیب و زینت، چوکیدار پہریدار سے خالی ہونا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، یہ چھوٹا سا جھونپڑا دنیا کے تمام محلوں سے بہتر ہے، تم جاؤ ڈرو نہیں یہ پھر جھونپڑے کی طرف چلا، قریب پہونچا تو رونے چلانے کی آواز سنی، دیکھا کہ دو لڑکوں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کا سر پھوڑ دیا، اس نے خود خلیفہ کو باہر آکر ان دونوں لڑکوں کو جھگڑتے دیکھا، اس کو کھڑا دیکھ کر خلیفہ نے پوچھا تم کون ہو؟ میں شکایت لے کر آیا ہوں، ٹھہرو ابھی آتا ہوں، یہ کہتے ہوئے دونوں بچوں کو لے کر اندر چلے گئے سمرقندی کو ایک عورت کی چیخ سنائی دی میرا بیٹا! اس نے سمجھا یہ زخمی بچہ کی ماں ہے، اتنے میں ایک دوسری عورت گھر میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ دوسرے بچے کو دیکھ کر بول اٹھی میرا بچہ! یہ گھر کی ساری گفتگو سنتا رہا معلوم ہوا کہ امیرالمومنین کا بچہ لڑکوں کے ساتھ کھیلنے نکلا، اس عورت کے بچے نے اس کو مار دیا، عورت نے مچل کر کہا: یہ یتیم ہے اس پر رحم کرو۔ سمرقندی کو اس تصور سے کہ ابھی اس بیچارے کے بچے کی گردن اس کی آنکھوں کے سامنے اڑا دی جائے گی، اس کا دل بھر آیا، سوچنے لگا، یہ تو ابھی بچہ ہے بھلے برے کا شعور نہیں۔ ابھی تو یہ مرفوع القلم ہے پھر اس نے امیرالمومنین کو عورت سے یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ کیا اس کا وظیفہ نہیں ہے؟ عورت بولی نہیں، امیرالمومنین نے فرمایا اس کو تنخواہ داران خدمت میں بچوں کا لکھ دو۔ عورت احسان و شکر گزاری کا کلمہ پڑھتی ہوئی دعائیں دیتی واپس ہو گئی۔ پھر سمرقندی نے فاطمہ بنت عبدالملک کو کہتے سنا وہ غصہ سے فرما رہی تھیں خیر جو کچھ ہوا مگر یہ بچے کو مارے۔

اس کے بعد خلیفۃ المسلمین باہر تشریف لائے۔ سمرقندی کی شکایت سنی، سمرقندی نے کہا فاتح سمرقند قتیبہ نے نہ اسلام کی دعوت پیش کی، نہ اعلان جنگ کیا، اچانک ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا، یہ سن کر خلیفۃ المسلمین نے فرمایا ہمارے نبی نے ہم کو ظلم کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلم غیر مسلم سب کے ساتھ یکساں انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بچے کا خط قلم تو لاؤ … کر آیا۔ اس پر خلیفہ نے فرمان لکھا اور لگا کر سمرقندی کو دیتے ہوئے فرمایا اس کو سمرقند کے گورنر کو دے دو۔ فرمان لے کر وہ سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ واپسی میں اس کی دنیا بدلی ہوئی تھی، جہاں پہونچتا کسی مسجد میں داخل ہوتا اپنے مسلمان بھائی سے کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑا ہوتا ایک ہی رنگ تھا ایک ہی طرح کے الفاظ زبانوں پر جاری ہوتے، ہر جگہ اسے محسوس ہوتا کہ وہ بھی اس وسیع اسلامی آبادی کا ایک فرد ہے، اسلامی مساوات اس کی عظمت و سعادت کا مرکز قدم قدم پر محسوس ہوتا۔ یہاں کوئی پوپ ہے نہ کاہن، حاضرین میں سے کوئی بھی امامت کر دیتا، رب بڑا، رب سب کا ایک، یہاں بھی کوئی آقا نہ غلام، بغیر کسی امتیاز کے یہاں سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، گورے کالے کا فرق عربی عجمی میں کوئی تمیز نہیں اس کو خانہ کعبہ کے اس دائرے کا احساس ہوا جو شہر و گاؤں، دشت و جبل، آباد و غیر آباد ہر خطہ زمین پر پھیلا چلا جاتا ہے۔ مسلمان جہاں بھی رہتے اور بستے ہیں۔ رات میں وہ عبادت گزار دن میں مجاہد و شہسوار، دل و نگاہ، جسم و روح پر خوف خدا طاری رگ رگ سے عشق و محبت کا خون جاری و ساری، جب وہ خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، تو دنیا کے سارے حسن و جمال لطف و سرور، رنج و غم، خیر و شر سے بے فکر بے پرواہ ہو کر مست و سرشار ہو کر۔

واپسی میں اس کو ایسا محسوس ہوا کہ مسافت بہت گھٹ گئی ہے کوئی زحمت نہ دشواری جس مسلمان کے یہاں ٹھہرتا وہ اس کا بھائی ہوتا عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھتا، مہمان نوازی کرتا، جس مسجد میں پہونچا سب اپنے ہی بھائی ہوتے، اس کی عزت کرتے وہ سوچنے لگا کہ جب میں آیا تو کیا کیا دکھ نہ جھیلنے پڑے تھے، جا رہا ہوں تو کیسی کیسی راحتیں میسر ہیں، ہر شخص ہنستا مسکراتا ہوا ملتا، اس ستھری پاکیزہ اور محبت بھری دنیا سے معبد کی ظلمت و تاریکی اور اوہام و خرافات کا کیا مقابلہ

چوتھا منظر

سمرقندی پہونچ کر وہ سیدھے معبد گیا، ڈرا نہ سہما، اس لئے کہ اسلام نے زندگی کی تاریکیوں کو چمک و تابندگی عطا کر دی تھی، اوہام و خیالات پریشاں کی بساط الٹ چکی تھی، اس پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ معبد کے یہ معبودان باطل کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اس نے اپنے اسلام کو اہل معبد پر ظاہر نہیں کیا، دھیرے دھیرے دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھلا، اندر داخل ہو گیا، کاہنوں نے اسے دیکھا حیرت زدہ رہ گئے، وہ تو سمجھے تھے کہ پھر اسے نہ دیکھیں گے۔ اس نے پوری داستان سفر سنائی، اسلامی شان و شوکت کا نقشہ کھینچا، اخوت و مساوات، عدل و انصاف کی تصویر دکھائی، تو ان کے ہوش اڑ گئے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، انھیں آزادی کا یقین ہو گیا، کاہن نے کہا یہ فرمان عامل سمرقند کے پاس لے جاؤ۔ حاکم نے فرمان پڑھا اس میں خلیفہ کا حکم تھا کہ قاضی کو عدالت قائم کرنے کا حکم دیا جائے کاہن قتیبہ کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کریں گے، قاضی جو فیصلہ کرے اس پر عمل ہو، گورنر نے تعمیل حکم کی، قاضی جمیع ابن حاضر الباجی کو فیصلے کے لئے منتخب کیا، عدالت کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

سمرقندی جب معبد واپس ہوا اور بڑے کاہن کو اس کی اطلاع دی تو پھر مایوسی چھا گئی امید کی جو کرن نظر آئی تھی وہ بجلی کی طرح آئی اور چلی گئی اسے یقین ہو گیا کہ عدالت کا قیام بھی مسلمانوں کی ایک چال ہے اور دھوکہ ہے، عدالت کا وقت مقررہ آ گیا سمرقند کے دور و نزدیک جگہ کے سبھی لوگ جمع ہو گئے وہ کاہن بھی باہر نکلے جنھوں نے مدتوں سے سورج کی کرن نہیں دیکھی تھی، قتیبہ کا جانشین قائد بھی تھا۔ عدالت مسجد میں قائم تھی، قاضی کی آمد کا انتظار ہو رہا تھا، کاہنوں کو اس کی ادنیٰ توقع نہ تھی کہ مسلمان قاضی، مسلمانوں کو سمرقند چھوڑ دینے کا حکم کرے گا فیصلہ ان کے حق میں کرے گا جو مغلوب شکست خوردہ ہیں، قاضی کے ہم مذہب بھی نہیں فیصلہ اور اس زبردست کامیاب قائد کے جانشینوں کے خلاف جس سے بڑھ کر کوئی قائد سرزمین مشرق سمرقند میں نہیں آیا عرب کے اسکندر قتیبہ کے جانشینوں کے خلاف؟ یہ ممکن نہیں۔

دل دھڑک رہے تھے، نگاہیں مسجد کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں، جدھر سے قاضی کو عدالت میں داخل ہونا تھا، جس کے ذمہ اہم ترین معاملہ کر دیا گیا ہے، ایک طرف قوم کی مصلحت، اس حکومت کی بقا کا سوال ہے جس پر بلا شرکت غیرے اسلامی جھنڈا لہرا رہا ہے، مسلمان اس کے مالک ہیں، دوسری طرف حق و صداقت ہے، یہ وہ نازک پوزیشن ہے جہاں بڑے بڑے ججوں کے پاؤں میں لغزش آ جاتی ہے، دلوں کی آزمائش کی شدید ترین گھڑی ہوتی ہے، مقدمہ کی نزاکت نے قاضی کو چکی کے دو پاٹوں میں ڈال دیا ہے، سمرقندی قوم اور کاہنوں کے چہروں پر کھلا ہوا شک و شبہ محسوس کر رہا تھا۔ اور امید و بیم کی کیفیت طاری تھی، خود اس کو اور دوسرے مسلمانوں کو اس میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا کہ حق و صداقت ملکی مصلحت سے بلند و بالا ہے۔

وطن ہو گیا؟ مسلمانوں کا وطن تو اس کا دین ہے جہاں موذن اذان دے وہی اس کا وطن ہے، اس کا جہاد حق کے لئے ہے، جب حق آئے گا تو باطل کو پیغام رحیل دے گا، چاہے قوم کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

نگاہیں اٹھیں، ایک سادہ اور دیہاتی لباس پہنے ہوئے دبلا پتلا شخص سر پر عمامہ باندھے ہوئے مسجد میں داخل ہوا، اس کے ساتھ ایک نوکر کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اہل مجلس کے سامنے چار زانو بیٹھ گیا اور نوکر سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کیا یہی وہ شخص ہے جو قتیبہ جیسے باجاہ و جلال حاکم کے جانشین اور اپنی قوم کی مصلحت کے خلاف فیصلہ کرے گا؟ یہی مسلمانوں کا جج ہے؟ کاہنوں کی رہی سہی امید بھی خاک میں ملتی نظر آئی۔

نوکر نے بغیر کسی آداب و القاب کے حاکم شہر کا نام لے کر پکارا۔ حاکم قاضی کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، کاہنوں کے بڑے سردار کی طلبی ہوئی۔ وہ بھی آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ عدالت شروع ہو گئی۔ بہت کمزور اور ہلکی مگر باوقار آواز میں کاہن سے قاضی نے کہا۔ تم کیا کہتے ہو؟ کاہن، حضور! سپہ سالار اعظم قتیبہ ابن مسلم دھوکے سے ہمارے ملک میں داخل ہو گئے۔ نہ اعلان جنگ کیا نہ ہم کو اسلام کی دعوت دی۔ قاضی نے حاکم سے مخاطب ہو کر کہا، تم کیا کہتے ہو؟ حاکم، خدا آپ کو صحیح بات سمجھائے جنگ تو دھوکہ ہے اس عظیم الشان ملک کو اللہ تعالیٰ نے —— ہمارے ذریعہ کفر سے بچایا، مسلمانوں کو اس کا وارث بنایا۔ قاضی، تم نے اس ملک کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی، پھر جزیہ کا مطالبہ کیا، اس کے بعد جنگ کی طرف بلایا؟

حاکم، نہیں۔

قاضی، تم نے جرم کا اقرار کر لیا، تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی اتباع پیروی ہی سے اور دھوکہ سے بچنے کے سبب سے اس قوم کی مدد کی، خدا شاہد ہے کہ ہم اپنے گھروں سے راہ خدا میں جہاد کی غرض سے نکلے ہیں، روئے زمین کے مالک بننے اور بیجا طور پر اس پر قابض ہونے کی غرض سے نہیں نکلے ہیں مسلمان شہر سے نکل جائیں، ملک کو سمرقندیوں کے حوالے کر دیں۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دیں، نہ مانیں تو اعلان جنگ کریں۔

فیصلہ سن کر کاہنوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، انھیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا، ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خواب دیکھ رہے ہوں۔ کچھ دیر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، ان میں سے بہتوں کو احساس تک نہ رہا کہ عدالت ختم ہو گئی قاضی اور حاکم شہر جا چکے، سمرقندی بڑے کاہن کو غور سے دیکھ رہا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حق و صداقت کا نور کاہن کے دل پر اثر انداز ہو چکا ہے، کاہن اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنے لگا جس سے اس کو محبت تھی، وہ جس کو حق سمجھتا تھا اب وہ اسے تنگ و تاریک و بے معنی محسوس ہو رہی تھی، دنیائے اسلام پر غور کرنے لگا تو وہ اسے شاداب، وسیع، حسن و جمال عدل و انصاف سے بھرپور نظر آئی۔ اس کی دنیا کیا تھی؟ بے زبان چٹانوں کی تنگی، تاریکی۔ جہاں چاند سورج کی کرنوں کا گذر نہیں۔ جہاں موسم بہار سے آنکھیں دو چار ہوتی ہیں نہ عظمت کا حسن اور ایمان کا جلال نظر آتا ہے۔ اس کے دل کی آنکھیں کھلیں تو اس کے معبد اور اسلامی معبد میں کوئی ادنیٰ مناسبت نظر نہ آئی۔ اسلام وہ سرزمین پاک ہے جو اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے جس کا اس کو تصور بھی نہ تھا۔ معبد کی تنگی کا اس وسعت سے کیا مقابلہ اس کی تاریکی کا، نور اسلام سے کیا جوڑ، اس کی زمیں بوس چھتوں کا اسلام کے بلند آسمان سے کیا موازنہ۔ ان خیالات کا آنا تھا کہ وہ اپنے دین کا قلادہ اتار کر معبد کی تنگی سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو چکا تھا، معبد کا دین ختم ہو گیا، اس کا زمانہ ختم ہوا۔ کیا گذرے ہوئے دن بھی واپس آتے ہیں؟

پانچواں منظر

چند ہی گھنٹے گذرنے پائے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دینے لگیں، نقل بجنے لگے، فوجی باجوں کی آواز سے فضا گونجنے لگی۔ کاہن نے نظر اٹھائی تو اسلامی فوج شہر سے باہر نکلتی دکھائی دی۔ اسلامی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ فوجیں شہر سے باہر میدان ہی میں صف آرا ہو رہی تھیں۔ حیرت سے پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا قاضی کا فیصلہ نافذ ہو گیا۔ اسلامی لشکر شہر چھوڑ رہا ہے یہ لشکر جس کا مغرب سے لے کر سمرقند تک کوئی سامنا ہی نہیں کر سکا، جس نے قیصر و کسریٰ اور خاقان

(باقی ص ۲۱ پر)

دوسری قسط

باقیات صالحات مشاہدات کے آئینہ میں

(ڈاکٹر سید احتشام ندوی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ریڈر شعبۂ عربی، وینکٹیشور یونیورسٹی۔ آندھرا)

چونکہ اردو، تامل اور ملیالم بولنے والے طلبہ یہاں پڑھتے ہیں اسلئے تینوں زبانوں کی اپنی اپنی انجمنیں قائم ہیں جن میں تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی روشنی کو عام کریں۔ یہ جلسے ہفتہ وار ہوتے ہیں اور طلبہ محنت سے تقاریر تیار کرتے ہیں۔ البتہ تین چیزوں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ طلبہ کو مضمون نگاری کی مشق نہیں کرائی جاتی دوسرے یہ کہ عربی ادب میں لکھنے بولنے کی استعداد پیدا کرنے کا کوئی نظم نہیں محض درس نظامیہ پڑھایا جاتا ہے اور تیسرا نقص یہ محسوس ہوا کہ عام مطالعہ کے لئے طلبہ کے اندر شوق پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں نہ ماہنامے اور ہفتہ وار رسالے آتے ہیں نہ طلبہ اردو کی کتابیں لے کر پڑھتے ہیں ان کی ذہنی ثقافت میں وسعت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ندوہ کی طرح طلبہ کی ایک انجمن الاصلاح کے طرز پر ہو جس سے ان کا ذہن علم و ادب، اسلامی ثقافت اور عام رجحانات زندگی سے واقفیت حاصل کر سکے۔ زندگی کو زندہ علم کی ضرورت ہے روایتی انداز پر اب گاڑی گھسیٹنا کچھ زیادہ دنوں تک ممکن نہ رہ سکے گا۔

یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ طلبہ مطبخ جا کر حسب خواہش کھانا کھاتے ہیں ان کو کھانا کمرے میں لانا نہیں پڑتا۔

مدرسہ میں شعبہ حفظ و قراۃ علیحدہ قائم ہے طلبہ کے طعام و قیام کا مفت انتظام ہے۔

اکثر طلبائے ویلور جو اس درس گاہ میں نہیں پڑھتے آتے ان کی تشویق و تالیف قلب کے لئے ان کو کھانے کے علاوہ ۱۵ روپیہ ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

جو طلبہ انگریزی پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس کا نظم بھی کر دیا گیا ہے۔

مدرسہ کی عمارت اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ایک چھوٹی سی سڑک کی ابتداء میں ایک عظیم الشان مسجد ہے۔ جس سڑک پر یہ مسجد واقع ہے اس کا نام درس گاہ کی مناسبت سے کوچہ باقیات پڑ گیا ہے۔ مسجد نہایت بارونق ہے اس میں ایک بڑا حوض ہے سامنے مولانا عبد الوہاب کا شاندار مقبرہ ہے جنھوں نے یہ مسجد اور مدرسہ قائم کیا تھا اس کے بعد ایک دروازہ ہے اس میں داخل ہو کر صحن میں سامنے پھر ایک حوض نظر آتا ہے چاروں طرف دو منزلہ عمارتیں ہیں جن میں طلباء مقیم ہیں اس سے ملحق دوسرا صحن ہے جس میں ایک طرف شاندار ہوسٹل دو منزلہ بنایا گیا ہے جو بانی مدرسہ کے بعد کی تعمیر ہے اور اس کے اوپر لائبریری کی عمارت ہے جس میں دس ہزار عربی و فارسی کتابیں ہیں۔ اس عمارت سے قبل پہلی عمارتوں سے ملحق درسگاہ ہے جس میں تعلیم کا نظم ہے۔

عمارتوں کے درمیانی حصہ میں کنارہ کی جانب جدید طرز کے بیت الخلاء اور مطبخ کا نظم ہے۔

میں مدرسہ میں مولانا صبغۃ اللہ بختیاری کے کمرہ میں مقیم ہوا۔ ان کی باغ و بہار شخصیت، ملنے والوں کا ہجوم، مختلف طرز کے لوگوں سے ملاقاتوں کا شرف اسی کمرہ میں حاصل ہوا۔ مولانا ابو البدیع حامد سے ملاقات کا بھی موقع ملا۔ اس کمرہ میں کتابوں کا عمدہ ذخیرہ ہے اکثر جدید و قدیم نادر کتابوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا کے ساتھ جو طویل گفتگو ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ میں ندوہ، جامعہ یا علی گڑھ میں ہوں نا کہ جنوبی ہند میں۔

مولانا نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو درس نظامی پڑھ کر اس سے عشق آ جاتا ہے۔ یہ جمود اور زندگی سے دوری عصر جدید میں علماء کے لئے اور امت کے لئے ایک زبردست ٹریجڈی ہے۔

پورے جنوب میں وہی درس نظامی رائج ہے زندگی کی بڑھتی ہوئی تغیر پذیری میں یہ فرسودہ نظام تعلیم زیادہ کام نہیں آ سکتا۔ آندھی کے آگے چراغ کب تک سنبھلے گا اس لئے ایسی عقل سکھیں جو اپنے کام آئے اور نہ دوسروں کے فعل عبث ہے اس سے نہ دین کی خدمت کی جا سکتی ہے اور نہ دنیا کی۔ "دلیش برد و نقرش خانقاہی است" والی بات ہے۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ دار العلوم الباقیات الصالحات میں جدید تعلیم کو بھی جگہ دی جا رہی ہے۔ انگریزی اور تامل زبانوں کے استاد مقرر کر دئے گئے ہیں امید ہے کہ یہ دار العلوم دوسری اسلامی درس گاہوں کے لئے نشان منزل بن کر انہیں روشنی و حرارت بخشے گا۔

"آباد رکھے ساقی تری محفل کو"

بقیہ مشرقی لندن کی ایک مسجد

۱۲۵ روپے فی ہفتہ ہے جس سے دونوں گھروں کا خرچ چلانا انتہائی نا ممکن ہے۔ اسی لئے امام مسجد اپنے بیٹے کے ہمراہ متوفیوں کی تجہیز و تکفین کا کام کرتے ہیں۔ بیگم تسلیم بھی تجہیز و تکفین کی تمام رسوم سے پوری طرح آگاہ ہیں جب سے مشرقی لندن کی مسلمان آبادی میں اضافہ ہوا ہے، تجہیز و تکفین کا کام بھی بڑھ گیا ہے اور یہ کام امام مسجد اور ان کی بیگم ہی انجام دے رہے ہیں۔

میں جب بیگم تسلیم سے باتیں کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک چھ یا سات سالہ بچہ کمرے میں کھیل رہا ہے پہلے تو میں یہ سمجھا کہ وہ ان کا بچہ ہے لیکن بیگم تسلیم نے بتایا کہ وہ ان کا بچہ نہیں بلکہ وہ اکثر دوسرے مسلمان بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں انہوں نے بتایا کہ دوسروں کے بچوں کی نگہداشت وغیرہ کرنے کو وہ اپنا سماجی اور مذہبی فریضہ سمجھتی ہیں۔

جب کوئی والدین اپنے بچے کو لندن میں چھوڑ کر باہر چلے جاتے ہیں یا پھر کوئی والدین کسی مجبوری کے باعث اپنے بچے کی نگہداشت سے معذور ہو جاتے ہیں تو بیگم تسلیم خوشی خوشی یہ فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد کی عمارت پرانی اور بوسیدہ ہو جانے کے باعث دوسری ایسی عمارتوں کے ساتھ اسے بھی عنقریب شہید کر دیا جائے گا اور مسجد کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا۔ تقریباً ستر برس کے بعد لندن مسجد کمرشل روڈ سے منتقل ہو جائے گی۔

اسے کہاں منتقل کیا جائے گا؟ یہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا۔ تاہم اسے جہاں بھی منتقل کیا گیا لندن میں رہنے والے مسلمانوں اور خانۂ خدا کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ قائم رہے گا۔

انٹرویو

انڈونیشیا کے

پروفیسر ابراہیم حسن

سے ایک ملاقات

- انڈونیشیا کی وزارت دینی
- اسلام میں اجتہاد
- اسلام اور مغربی تہذیب
- تجارتی سود
- اسلامی ثقافت
- مقاصد شرعیہ

میں ۹ بجے کے قریب اپنے کمرے سے اتر کر لبس میں داخل ہوا تو انڈونیشیا کے مندوب پروفیسر ابراہیم حسن نے مجھے اپنے پاس بلا لیا، یہ انڈونیشیا میں وزارت امور دینی کے محکمہ تعلقات عامہ کے صدر ہیں ایک عرصہ تک سماترا کی اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں، اصل میں کانفرنس کے منتظمین کی طرف سے انڈونیشیا کے وزیر امور دینی کو دعوت دی گئی تھی، مگر وہ کسی عذر کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے، اور پروفیسر ابراہیم حسن کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیج دیا تھا۔ کانفرنس کے دوران ان سے بار بار ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں، اور مجھے ان کے متصلب دینی مزاج، سادگی، اور معصومیت نے کافی متاثر کیا تھا۔

میں نے کہا: "دار العلوم کراچی کی طرف سے ہم ایک علمی و دینی ماہنامہ البلاغ کے نام سے نکالتے ہیں، اس عرصہ میں اس کے لئے آپ سے ایک انٹرویو لے لیتا ہوں، اس طرح باتوں باتوں میں کام بھی ہو جائے گا۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے، مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں" انھوں نے کہا۔

اور اس کے بعد میں نے ان سے سوالات شروع کر دیئے سب سے پہلے میں نے پوچھا۔

"انڈونیشیا میں وزارت امور دینیہ کے سپرد کیا کام ہیں؟"

"ہمارے یہاں وزارت امور دینی کا دائرہ کار کافی وسیع ہے" انھوں نے کہا: "اس کے ذمہ سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دینی معتقدات کی حفاظت کرے، انڈونیشیا اور اس کے عوام کا فلسفہ حکومت پانچ چیزوں پر مبنی ہے جن میں سب سے پہلی چیز توحید خداوندی کا اعتقاد ہے، وزارت امور دینی کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس اعتقاد کی حفاظت کرے، چنانچہ یہی وزارت امور دینی عوام کی دینی تعلیم کا بندوبست کرتی ہے، ہمارے ملک میں ہر درس گاہ کے اندر دینیات کی تعلیم لازمی ہے، خواہ وہ فنون کی درس گاہ ہو، یا سائنس اور تجارت کی، لیکن ہر طالب علم کو دینیات کا بنیادی علم حاصل کرنا پڑتا ہے، پھر جو لوگ عالم دین بن کر اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے الگ اسلامی یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں تمام دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔"

"ایسی اسلامی یونیورسٹیاں ملک بھر میں کتنی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دس سے کم نہیں" انہوں نے کہا: "اور ان کے تحت چالیس سے زیادہ کالج اسلامی تعلیمات ہی کے لئے وقف ہیں اور ان تمام تعلیمات کا انتظام وزارت امور دینی کے سپرد ہے پھر تعلیمات کے علاوہ مسلمانوں کی تمام دینی ضروریات بھی وزارت انجام دیتی ہے، چنانچہ اس کے تحت مندرجہ ذیل شعبے اور ہیں۔

(۱) شرعی عدالتیں جن میں نکاح و طلاق سے متعلق فیصلے کئے جاتے ہیں۔

(۲) مذہبی امور، جن میں زکوٰۃ، اوقاف اور حج کا انتظام کیا جاتا ہے۔

(۳) دعوت اسلامی، جس کے تحت تبلیغ اسلام اور دینی اطلاعات کا خاص نظام قائم کیا گیا ہے۔"

"لیکن کیا امور دینی کی الگ وزارت قائم کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کو چند خاص شعبوں میں منحصر کر دیا گیا ہو، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں رکھا گیا؟" میں نے پوچھا۔

"اصل میں بات یہ ہے" انھوں نے کہا، "کہ انڈونیشیا مذہبی حکومت نہیں ہے، نہ آپ اسے اسلامی حکومت کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ مسیحی، وہ ایک قومی حکومت ہے جو توحید خداوندی پر ایمان رکھتی ہے انڈونیشیا کا دستور پاکستان کی طرح اسلامی نہیں ہے لیکن اس نے حصول آزادی سے پہلے عام مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اوپر اسلامی شریعت کو نافذ کرے گی یہ معاہدہ دستور کی معنوی روح ہے، اور حکومت اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی اسی طرح اس نے غیر مسلموں کو بھی مذہبی آزادی دینے کا وعدہ کیا ہے، ان معاہدات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے وزارت امور دینی قائم کی ہے۔"

اس کے بعد میں نے دوسرا سوال کیا:-

"عالم اسلام میں مغربی تہذیب کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا ہے، آپ کی نظر میں اس تہذیب کے رد و قبول کے سلسلے میں مسلمانوں کا موقف کیا ہونا چاہئے؟"

اس کے جواب میں انہوں نے کہا: "اس سوال کا جواب رات، ہوٹل شہرزاد میں مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے بڑے اچھے طریقے سے دیا ہے، مجھے ان کی رات کی تقریر بہت پسند آئی، انہوں نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اسلام اور ترقی تو لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا اگر مغربی تہذیب کی کچھ باتیں ہمیں اچھی اور اسلامی اصولوں کے مطابق نظر آتی ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ انھیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اختیار کریں، انہوں نے جن نئے علوم میں ترقی کی ہے، ان میں ہم بھی ترقی کریں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے پیچھے چل پڑیں، اور ان کی ہر غلط یا صحیح بات کو اسلام کے مطابق ثابت کرنا شروع کر دیں۔"

میں سمجھتا ہوں کہ مغرب کی جتنی باتیں فی الواقع قابل تقلید ہیں وہ سب اسلام ہی سے ماخوذ ہیں لہٰذا اس پر عمل کرنا در حقیقت اسلام پر عمل کرنا ہے، اس کے برخلاف مغرب کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو دور سے خواہ کتنی ہی دلکش نظر آئیں لیکن در حقیقت وہ ہمارے لئے مہلک ہیں، اور اسلام کو چھوڑ کر انھیں اختیار کرنا ہمارے لئے تباہی کا پیغام ہوگا۔"

وہ یہاں تک کہہ کر رک گئے تو میں نے ایک اور سوال کیا۔

"آج کل عالم اسلام میں اجتہاد کی اہمیت پر بہت زور دیا جا رہا ہے آپ کی رائے میں ہمارے لئے اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟"

اس سوال کے جواب میں انھوں نے قدرے توقف کے بعد

سوچ سوچ کر بولنا شروع کیا۔

"اجتہاد ہے در اصل نام ہے ان کوششوں کا جو نو پیش آمدہ مسائل میں شرعی احکام معلوم کرنے کے لئے صرف کی جائیں، جو شخص یہ خدمت انجام دے اسے مجتہد کہا جاتا ہے، مجتہد کی کئی قسمیں ہیں ایک مجتہد مطلق، یعنی وہ شخص جو قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کے قواعد و اصول بھی خود بنا تا ہے، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کتاب اور سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے نئے اصول بنائے اور اس معاملہ میں سابقہ مجتہدین سے اختلاف کرے۔"

"مجتہد کی دوسری قسم وہ ہے جسے اصطلاح میں مجتہد منتسب کہا جاتا ہے، یہ مجتہد اصول استنباط میں تو کسی مجتہد مطلق کی پیروی کرتا ہے لیکن ان قواعد کی تشریح و تعبیر اور جزئیات پر ان کے اطلاق کے بارے میں اپنی رائے استعمال کرتا ہے اور اس میں اپنے مجتہد مطلق سے اختلاف بھی کر سکتا ہے۔

"مجتہد کی ایک تیسری قسم اور ہے، اور وہ ہے مجتہد فی الفتویٰ والترجیح، اس قسم کا مجتہد اصول استنباط میں بھی کسی مجتہد مطلق کا پابند ہوتا ہے اور مجتہد مطلق کی بیان کردہ جزئیات میں بھی، لیکن جو نئے مسائل اس کے زمانے میں پیش آتے ہیں اور جن کا واضح حکم قرآن و سنت یا مجتہد مطلق کے کلام میں نہیں ملتا، یہ ان مسائل کا حکم انہی اصولوں کے مطابق مستنبط کرتا ہے جو اس کے مجتہد مطلق نے بیان کئے ہیں۔"

یہاں پہونچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکے اور پھر کہنے لگے۔

"ان تین قسموں کے بارے میں امت کا سوچا سمجھا فیصلہ یہ ہے کہ پہلی قسم یعنی اجتہاد مطلق کی شرائط چونکہ آج کل کسی میں نہیں پائی جاتیں اس لئے اس کا دروازہ بالکل بند ہے، البتہ دوسری قسم (اجتہاد مقید) کا دروازہ مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر کھلا ہوا ہے، یعنی مسلمان اجتماعی طور پر ایک مجتہد منتسب کا جیسا کام کر سکتے ہیں، لیکن انفرادی طور پر اس کا بھی دروازہ بند ہے، یہاں ایک آدمی یہ کام نہیں کر سکتا ——— رہ گئی تیسری قسم یعنی اجتہاد فی الفتویٰ، سو اس کا دروازہ انفرادی طور پر کھلا ہوا ہے، اور اجتماعی طور پر بھی، لیکن اس شخص کے لئے جو قرآن و سنت اور اصول دین کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو۔"

"لیکن یہ اجتہاد مطلق اور انفرادی طور پر اجتہاد مقید کا دروازہ کس نے بند کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اجتماع نے" انھوں نے برجستہ کہا، اور اس کی سند عقل سلیم ہے۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے کہ عہد رسالت سے بہت دور ہو جانے کی وجہ سے آج ہمارے پاس وہ وسائل موجود نہیں رہے جن سے نزول قرآن کا ماحول ہمارے سامنے ہو، اور قرآن و سنت کا پورا پس منظر ذہن میں رکھ کر ہم استنباط کے اصول و قواعد مقرر کر سکیں، ہمارے اسلاف کو یہ وسائل میسر تھے، اس کے علاوہ اللہ نے انھیں غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز حافظہ اور اعلیٰ درجہ کا ورع و تقویٰ عطا کیا تھا، انھوں نے سینکڑوں سال تک اصول استنباط کو خوب چھان بین کر کے مدون کر دیا اس کے بعد ان اصولوں میں ترمیم و تبدیلی کی نہ کوئی گنجائش باقی رہی ہے، نہ اس کے اہل افراد موجود ہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے جہاں تک معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نت نئے احکام معلوم کرنے کا تعلق ہے اس کے لئے اجتماعی طور پر اجتہاد مقید کا اور انفرادی طور پر اجتہاد فی الفتویٰ کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے، اور اس سے ہر مسئلہ کا حل آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے پروفیسر ابراہیم سے کہا۔

"آپ کے حصے کے چند مختصر سوالات ابھی رہ گئے ہیں۔"

"ہاں ہاں ضرور!" انھوں نے کہا۔

میں نے پوچھا: "بینکوں میں جس سود کا لین دین ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

کہنے لگے "سود قرآن کریم کی واضح تصریحات کے مطابق حرام ہے۔ اور اسے کوئی تاویل حلال نہیں کر سکتی، اضطراری حالات ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں لیکن حرام کو حرام ہی کہا جائے گا اور اس معاملہ میں تجارتی اور غیر تجارتی سود کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

اس کے بعد میں نے ایک اور سوال پوچھا۔

"اسلامی ثقافت کی اصطلاح آج کل کثرت سے استعمال ہو رہی ہے، آپ کے نزدیک اس سے کیا مراد ہے؟"

"اسلامی ثقافت کے معنی بالکل واضح ہیں" انہوں نے کہا "قرآن و سنت نے ہمیں جس انداز سے زندگی گذارنے کی تلقین کی ہے، وہ ہماری ثقافت ہے، اس ضمن میں ہمارے تمام اسلامی علوم بھی آ جاتے ہیں اور تفریحات بھی داخل ہو جاتی ہیں جو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہیں۔"

"کیا رقص و موسیقی کی بھی اسلامی ثقافت میں کوئی گنجائش ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں!" انہوں نے کہا۔ "اسلامی ثقافت کو ان چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں، قرآن و سنت میں ان کی حرمت واضح احکام موجود ہیں، اسلام نے ہماری تفریح کی فطری خواہش پر پابندی نہیں لگائی لیکن ایسی تفریحات کو وہ ہمارے لئے مہلک قرار دیتا ہے جن سے ہماری جسمانی اور اخلاقی صحت پر کوئی برا اثر پڑے۔"

"اسلام نے مختلف اشیاء کی جو مقداریں مقرر کی ہیں مثلاً زکوٰۃ کا نصاب، یا رکعات نماز کی تعداد وغیرہ کیا زمانہ کے تغیر سے ان کے بدلنے کی کوئی گنجائش ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یاد رکھئے" انھوں نے کہا "کہ جو چیزیں زمانہ کے تغیر سے اثر پذیر ہوتی ہیں ان کے بارے میں قرآن و سنت نے خود کوئی واضح ہدایات نہیں دیں بلکہ انھیں ہر دور کے مجتہدین کے اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے، اس کے مقادیر وغیرہ کی تعیین انھی چیزوں میں کی ہے جنھیں قیام قیامت تک یکساں رکھنا منظور ہے، لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن و سنت میں زکوٰۃ وغیرہ کا جو نصاب مقرر کیا گیا ہے، اس پر زمانہ کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، فقہی اصطلاح کے مطابق یہ تعبدی حکم ہے جس میں قیاس اور رائے کا کوئی دخل نہیں۔"

وہ یہ کہہ کر رکے تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی بوجھل آنکھیں کچھ دیر کے لئے سکون چاہ رہی ہیں اور اب سوالات کا سلسلہ مزید جاری رکھنا ان پر ظلم ہوگا، اس لئے میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انھیں آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے ..... اور چند لمحوں کے بعد باقاعدہ سو گئے۔

(البلاغ)

بقیہ فتح سمرقند

کے لشکروں کی لساطالت دی، اس کو ایک بڑھے او ..... شخص نے چند ہی منٹ کی عدالت میں سمرقند سے باہر نکال دیا۔

اسلامی لشکر پہلے اعلان جنگ کرے گا کیا اہل سمرقند مقابلے کی تاب رکھتے ہیں، نہ وہ لشکر جس کا مقابلہ بڑی بڑی حکومتیں نہ کر سکیں، کیا معبد کی یہ چٹانیں حق کے اس سیلاب کو واپس کر دیں گی، اس کی تاریکی اسلام کے نور کو ختم کر دے گی؟ نہیں، خدا کا یہ ازلی فیصلہ ہے کہ طلوع صبح رات کی تاریکی کو ختم کر دیتی ہے ..... ہوا ہے اس روشنی سے ..... معبد کی ..... میں رہ جھپیں گے۔

وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگا۔ تم کیا کہتے ہو

مسلمان سمرقندی بولا میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ جیسا ختہ کیا ہر کی بھی آواز نکل جاتی ہے میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں دیکھتے دیکھتے سمرقند اللہ اکبر کی صداؤں سے گونجنے لگتا ہے! اسلامی لشکر عدل و انصاف کا پرچم لہرا کر شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔

نفسیات:

فکرمندی چھوڑیئے

(اختر لطیف مالوی)

فکرمندی ایک عام انسانی جذبہ ہے۔ اس کا احساس وقتاً فوقتاً سب ہی صحیح الدماغ لوگوں کو ہوتا ہے لیکن جب کسی شخص میں احساس فکر ضروریات سے زیادہ پیدا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ (ABNORMAL) کہلاتا ہے۔ دراصل احساس فکر متضاد جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے جب ہم اپنے بیمار بچے کے لئے فکرمند نظر آتے ہیں تو ہم بیک وقت خوف و امید کے جذبات سے مملو ہوتے ہیں۔ بچے کی موت یا تکلیف کا خوف اور اس کی صحت یابی اور آرام کی امید ہمارے دل میں انتشار پھیلا دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے فکر کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح مریضانہ فکرمندی بھی متضاد جذبات سے وجود میں آتی ہے۔ بہرنوع یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کسی چیز کی تکلیف اور خدا کی نگاہ میں یہ روش پانا ہی سمجھا ہوا ڈر۔

مریضانہ فکرمند آدمی یا تو یہ بات جانتا ہی نہیں یا پوری طور پر جانتا ہے کہ وہ کس لئے فکرمند ہے لیکن وہ یہ بات نہیں جان سکتا کہ آخر وہ کس کے لئے فکرمند رہتا ہے۔ جب ہم جذبہ کے تجرباتی مرحلے سے گذرتے ہیں تو ہمیں عام طور پر چند خاص جسمانی اذیت اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر کوئی شخص ظاہرا طور پر دماغی فکرمندی میں مبتلا ہو یا داخلی انتشار کا شکار ہو تو اسے علاج کی ضرورت ہو وہ اکثر بے حد مغموم، فرسودہ اور کبھی کبھی مریض دکھائی دے گا لیکن اس کا علاج اسی وقت ہو سکتا ہے جب فکرمندی کی بنیادی وجہ معلوم ہو جائے یعنی ان متضاد جذبات کا علم ہو جائے جو منظم نہیں ہو پاتے اگر اس کا ذہنی انتشار دور کر دیا جائے تو ایسی صورت میں مریض بغیر کسی اہم دشواری کے زندگی کو سنوارے گا اور میدان عمل میں بڑی حد تک تسلی بخش کام کرنے کے لائق ہو جائے گا اکثر (ORIGINAL CONFLICT) کسی خاص حادثہ کا نتیجہ ہوتی ہے اور حادثات کا تسلسل آدمی کو مریضانہ فکرمندی کا ہدف بنا دیتا ہے۔ مریض کی زندگی وبال جان ہو جاتی ہے۔ وہ سماجی معاشی اور معاشرتی پابندیوں اور ذمہ داریوں کو نہیں سنبھال سکتا ہے۔ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے۔ بے شک یہ بات بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ بعض آدمی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مریضانہ فکر کے شکار نہیں رہتے اور وہ کبھی کبھی طرح سماجی و معاشی ذمہ داریوں کا احساس کر کے اسے سرانجام دیتے ہیں مگر وہ مسلسل انتشار اور فکر کی وجہ سے (ABNORMAL) ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ حالت انھیں بالکل (UPSET) نہیں کرتی۔ مگر فنی طور پر یہ لوگ (NEUROTIC) کہلاتے ہیں۔

جوان آدمی کی زندگی کا بالکل ابتدائی حادثہ ہی مریضانہ فکرمندی کے کیس میں اہمیت رکھتا ہے لیکن عام طور پر ایسے (CASES) زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق ان کے بچپن کے بنیادی حالات، ماحول اور معاشرہ سے ہوتا ہے۔ بچپن کے ابتدائی زمانہ کے حالات اس قسم کے معاملات میں بہت زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ والدین اور بچے کے ناسازگار تعلقات اصولی طور پر جد و جہد کو پیدا کرتے ہیں اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں نہیں بالکل ابتدائی دماغی عمل (MENTAL PROCESS) اور ان (CONFLICT) پر غور کرنا چاہئے جو انسانی جبلت اور معاشرتی ضروریات کے مابین برسرِ آزما ہوتی ہیں اگر بچہ (EGOIST) ہے اور وہ براہ راست اپنے جبلی تقاضوں کی آسودگی اور تکمیل چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اسے تحفظ کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے خصوصاً ایسے تحفظ کی ضرورت ہوگی جس میں پیار و محبت بھی شامل ہو۔ پیار و محبت کے حصول کے لئے اسے اپنے گرد و پیش کے لوگوں کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ اگر اسے اس قسم کا تحفظ مل جاتا ہے تو وہ ٹھیک ایسا ہی کرے گا جیسا کہ اس کی ماں کہے گی۔ اگر وہ براہ راست اپنی جبلتوں کی آسودگی چاہتا ہے تو اکثر وہ ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا جائے گا جس کی اجازت اس کی ماں نے نہیں دی ہو گی۔ یہاں (CONFLICT) شروع ہوتی ہے اور قابل لحاظ بھی۔ بچہ کی زندگی میں یہ ایک ایسا مرحلہ ہوتا ہے جہاں سے وہ بغیر مریضانہ فکرمندی کے جوانی کی منزل کی طرف گامزن ہوتے ہیں اور بعض بچے اسی مرحلے سے مریضانہ فکرمند اور قنوطی بن کے رہ جاتے ہیں۔

اگر کوئی بچہ ابتدائی عمر میں جسمانی تحفظ اور جذباتی سکون سے محفوظ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے مستقبل میں متحمل اور مستقل مزاج ہوگا۔ اس کی روش استقلال اور تحمل کی علامت ہے۔ اگر بچہ کو اس کی روش سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو یہ ایک زبردست مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو گی اگر اس میں تحفظ کی یہ بنیاد دبی نہ ہو تو جلد ہی وہ ایک ایسا ذہنی وسیلہ حاصل کرے گا جو بڑا الجھن اور مشکلات پیدا ہی غور کرنے کا عادی بن سکتا ہے یہ راستہ اسے فکرمندی کی طرف لے جائے گا۔ ایک طرف اسے اکیلا چھوڑ جانے کی فکر ستائے گی دوسری طرف گھر کی محبت ستائے گی۔ ایک طرف وہ دوستوں اور مہربانوں کی محبت کا متلاشی ہو گا دوسری طرف والدین کی محبت کا خواہاں! نتیجے کے طور پر وہ دوسروں پر دار و مدار رکھے گا اور اپنی صلاحیتوں کو کام میں نہیں لائے گا۔ جب کہ وہ جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کی عمر تک پہونچے گا اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وہ جنسی تعلقات کی تنظیم نہیں کر سکے گا وہ اکثر فکرمند رہے گا، کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ وہ ٹھیک طور پر کوئی کام انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ وہ جو کچھ سوچتا ہے صحیح بھی ہوگا یا نہیں؟ وہ متضاد خیالات اور احساسات کا شکار ہو جائے گا۔ اور یہ کیفیت اسے مریضانہ فکرمندی کی طرف لے جا سکتی ہے!

ہر وقت فکرمندی بہر حال ایک مرض ہے اور جب تک یہ مرض ہے انسان ترقی نہیں کر سکتا۔

بقیہ صراطِ مستقیم

ہی سے ان کو صحیح اور درست راہوں پر چلایا جائے اور نامناسب اور نقصان دہ راستوں سے بچایا جائے تو ان کی حفاظت کرنا آسان ہے اس لئے بہترین شکل یہی ہے کہ قرآن پاک کے نصائح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور ارشادات غور و فکر سے دیکھ کر ان کو اپنا لائحہ عمل بنایا جائے جو سقم اور کوتاہی تلاش و تجسس سے ملتی جائے اس کو رفتہ رفتہ دور کرنے کی فکر کی جائے تاکہ فلاح و بہبود کی راہیں آسانی سے کھل جائیں۔

یہ مختصر تحریر جس کو مفید سمجھا گیا، الحمد للہ اور باقی تمام باتیں صحبت پر موقوف ہیں جن کا تحریر میں آنا محال بلکہ ناممکن ہے اور بیان کرنا بے سود ہے، بلکہ بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو طلب کی توفیق فرمائے گا وہ طلب کرے گا۔ مثل مشہور ہو۔

علم دل از سینہ می آید بطرف سینہا
بے معلم طفل این مکتب سخن در میشود

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سرزمین

فرقانیہ اکیڈمی بنگلور

اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ موجودہ دور میں اسلام اور اس کی تعلیمات پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ایک طرف تو مغربی علوم، مادہ پرستانہ فلسفوں اور نظاموں کی فتنہ انگیزیاں ہیں جو الحاد و دہریت اور تشکیک کی زبردست نشر و اشاعت کر رہی ہیں۔ دوسری طرف سائنس اور علوم جدیدہ کا چیلنج درپیش ہے۔ تیسری طرف مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کی دست درازیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور تجدد پسندی، انکار حدیث اور قادیانیت وغیرہ گمراہیوں نے خود اس کے داخلی محاذ کو کمزور کرنا شروع کر دیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ اوروں کا تو ذکر ہی کیا خود مسلمانوں ہی کا ایک بڑا طبقہ آج اسلام کی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات اور حیرانی و بے اطمینانی میں مبتلا ہو گیا ہے اسلام پر درحقیقت اس سے زیادہ کٹھن دور اس سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہے۔

ان فتنہ سامانیوں کے روک تھام کے لئے فوری طور پر ایسے تحقیقی اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جن میں علوم جدیدہ اور ان کے پیدا کردہ مسائل کا پوری سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لے کر علمی و سائنٹفک انداز میں تحلیل و تجزیہ کیا جائے۔ جدید فلسفیوں اور ازموں کی خامی اور ناکامیوں کو واضح کیا جائے، اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات و شکوک و شبہات کا تحقیقی اور مدلل جواب دیا جائے، عالم انسانی کو درپیش موجودہ علمی معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی مسائل و مشکلات کا اسلامی حل تلاش کیا جائے اور سب سے بڑھ کر عصر جدید کی ذہنیت کے مطابق اسلامی عقائد و تعلیمات کی تشریح و توجیہ نئے انداز میں کر کے اسلامی نظام حیات کی برتری ثابت کی جائے، جس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔ یہ وقت کی پکار اور اہم ترین دینی فریضہ ہے جس کی عدم ادائیگی کے باعث نہ صرف اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے گا بلکہ عالم انسانی کا بھی [illegible] ہو گا کیونکہ اہل اسلام ہی پوری نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے ذمہ دار ہیں۔

اسی ضرورت و احساس کے تحت بنگلور کے [illegible] میں رلیس ریچ انسٹی ٹیوٹ، فرقانیہ اکیڈمی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ جس کے پیش نظر حسب ذیل کاموں کی تکمیل ہے:

(۱) قدیم و جدید علوم میں بصیرت رکھنے والے اہل علم کی ایک مجلس کا قیام (۲) جدید حالات [illegible] عالم انسانی کی فکری نظریاتی اعتبار سے رہنمائی (۳) عصر جدید کے فتنوں کے مقابلے میں اسلام کی ہدایت و عالمگیر کا اثبات (۴) تحقیقی کاموں کے لئے ایک وسیع لائبریری کا قیام (۵) تحقیق و تصنیف سے دلچسپی رکھنے والوں کی تربیت (۶) علمی و تحقیقی کتابوں کی نشر و اشاعت (۷) مختلف زبانوں میں اسلام کے تعارفی لٹریچر کی تیاری اور خصوصیت کے ساتھ غیر مسلموں میں وسیع پیمانے پر اس کی نشر و اشاعت (۸) اردو اور انگریزی زبانوں میں علمی و دینی رسائل کا اجراء۔

اکیڈمی کے بانی اور ناظم مولانا محمد شہاب الدین ندوی ہیں جنھوں نے وقت کے بعض اہم مسائل پر بالکل نئے اور انوکھے انداز میں قلم اٹھا کر علمی دنیا کو ایک نیا آہنگ عطا کیا ہے جس کا اعتراف ملک کے بعض نامور علماء بھی کر چکے ہیں۔ وہ قرآن اور علوم جدیدہ کے موضوع پر کئی قابل قدر کتابوں کے مصنف ہیں اور ان کی تحقیقی مضامین اس وقت ملک کے صف اول کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو رہے ہیں۔

فی الحال اکیڈمی کی ایک مختصر سی لائبریری اور ایک پبلشنگ ہاؤس کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ لائبریری میں اسی وقت مختلف موضوعات پر صرف چھ سات سو کتابیں ہیں جو تحقیقی کاموں کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔ بہر حال اکیڈمی نے اپنے اولین ثمرات کے طور پر ابتک چار علمی و تحقیقی کتابیں شائع کر دی ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں	قیمت مجلد	۳/-
(۲) اسلام اور جدید سائنس		۱۵/-
(۳) نظریۂ اشتراکیت		۱/۲۰
(۴) قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام	قیمت	۱/۲۵

یہ چاروں کتابیں بانی و ناظم ادارہ کی تصنیفات ہیں۔ کتاب اول کا مقدمہ عالم اسلام کے نامور عالم حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے اور اس کو اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع [illegible] اور ایمان افروز کتاب قرار دیا ہے۔ یہ چاروں کتابیں درحقیقت جدید علم کلام اور اسلام کی قیادت و صلاحیت کا ایک بہترین اور مثالی نمونہ ہیں۔

جدید مسائل و موضوعات پر اس قسم کی دیگر بہت سی کتابیں اشاعت کے لئے تیار ہو چکی ہیں مگر ان کی نشر و اشاعت کرنے اور دیگر زبانوں میں ان کا ترجمہ کرانے اور اکیڈمی کے دیگر اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے سرمایہ کی شدید قلت ہے کیونکہ اکیڈمی کا کوئی مستقل فنڈ یا سرمایہ نہیں ہے بلکہ اس کو چند مخلص دوستوں کی مدد اور حوصلہ افزائی کی بنا پر نہایت درجہ بے سروسامانی کی حالت میں قائم کر دیا گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی کہ کسی کارگزاری کے اظہار کے بغیر بالکل ابتدائی مرحلہ میں عوام کا اعتماد حاصل کرنا بھی دشوار نظر آیا۔ بہر حال تمام ہمدردان اسلام سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے آگے بڑھیں اور دامے درمے سخنے قدمے دل کھول کر ادارہ کی امداد و اعانت کریں اور دین حق کا بول بالا کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ ہم نے اکیڈمی قائم کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا آپ کا ملی و اخلاقی فریضہ ہے آپ ادارے کی امداد حسب ذیل طریقوں سے کر سکتے ہیں۔

(۱) نقد عطیے (۲) کتابوں کا تحفہ (۳) ادارہ کی کتب (۴) مطبوعات کی خریداری اور ان کی توسیع اشاعت

تمام رقومات حسب ذیل پتے پر بھیج کر ادارہ کی رسید حاصل کر لیں۔

ناظم فرقانیہ اکیڈمی چک باناور
بنگلور نارتھ

سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

(بانی ندوۃ العلماء)

(از سید محمد الحسنی)

مدیر: البعث الاسلامی و تعمیر حیات

ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین اس کے کردار اور تاریخ اس کی خدمات اور خصوصیات اور اس کے بانی و رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش۔

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چائے کی کہانی

مظفر الدین شاہپوری

صحیح طور پر نہیں معلوم کہ چائے کا پتہ کس نے لگایا۔ چائے کا ذکر جو سب سے پہلی کتاب میں ہے وہ پانچسو پچاس قبل مسیح کی ہے۔ چین میں چائے کے متعلق یہ روایت ہے کہ ایک فلاسفر اپنے ضرورت کے لئے پانی گرم کر رہا تھا پانی گرم کرنے سے پانی کا رنگ کچھ پیلا سا ہو گیا جب فلاسفر نے اس کو پی لیا تو اس سے تازگی حاصل ہوئی اور بدن میں چستی پیدا ہو گئی تب اس نے سمجھ لیا کہ یہ کرشمہ پتیوں کا ہے جو اتفاقاً گر گئیں تھیں۔ بس اسی وقت سے چائے کا رواج پڑ گیا اور رفتہ رفتہ یہ رواج پھیلنے لگا۔

چین سے چائے سب سے پہلے انگلینڈ کو درآمد کی گئی جب اس کی قیمت ساٹھ سے سو روپیہ فی پونڈ تھی۔ عرصہ بعد جب اس کی زیادہ مقدار درآمد ہونے لگی تو اس کی قیمت بھی گھٹ گئی۔ یعنی یہ آٹھ یا دس روپیہ فی پونڈ فروخت ہونے لگی۔ پھر تھوڑے عرصہ میں ہی چائے کا رواج تمام وسط ایشیا اور ترکی میں عام ہو گیا۔ [illegible] سے جاپان میں اس کی باقاعدہ کاشت ہونے لگی۔ سترھویں صدی کے اختتام پر پورے یوروپ میں بھی چائے کا رواج عام ہو گیا۔ ہندوستان میں چائے کا رواج عہد مغلیہ سے آغاز ہوا۔ سو سال پہلے ہندوستان میں چائے کے باغات انگریزوں نے اپنے زیر نگرانی لگوائے اور اس کی باقاعدہ کاشت کرنے لگے ۱۸۳۶ء میں تقریباً پانچ ہزار پونڈ آسام کی چائے پانچ روپیہ فی پونڈ کے حساب سے لندن کو فروخت کی گئی۔ بیس سال بعد انگریزوں نے لنکا میں بھی چائے کے باغات لگوائے۔ پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں ہی دنیا کے ہر حصہ نے ہندوستان اور لنکا سے چائے کے پودے منگوائے۔ چین دنیا کے تمام ممالک میں زیادہ چائے پیدا کرتا ہو لیکن وہ زیادہ تر چائے کو برآمد نہیں کرتے بلکہ اپنے استعمال کے لئے ہی رکھ لیتے ہیں۔ اب تو ہندوستان میں سالانہ آٹھ نو سو ملین پونڈ سے زیادہ چائے پیدا ہوتی ہو۔

چائے تین یا چار فٹ کا ایک پودہ ہوتا ہے۔ اس کی کاشت عام طور پر ڈھلوان زمین پر کی جاتی ہو تاکہ بارش کا پانی اس کی جڑوں میں نہ ٹھہر سکے اس کے لئے گرم مرطوب آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہو۔ ایشیا کے مانسونی علاقے لنکا، آسام، جنوبی بنگال، جاوا، سماترا، ویسٹ انڈیز، چین اور جاپان، دارجلنگ، اور نیل گری کے پہاڑیوں کے اطراف میں اس کی کاشت ہوتی ہو۔ ان سب میں آسام کی چائے عمدہ اور ذائقہ دار تسلیم کی جاتی ہے۔

چائے کے پودے ایک قطار میں چار سے چھ فٹ دور ہوتے ہیں۔ جب یہ پودا چار فٹ سے اونچا ہوتا ہے تو اسے کاٹ کر چھوٹا کیا جاتا ہے اس طرح سے پتیاں زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ گرمی اور موسم برسات میں چائے کی پتیوں کی بالیدگی شروع ہو جاتی ہے۔ چائے کے پودے کو تین سال تک بڑھنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، اور چوتھے سال سے اس کی پتیاں نکالنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

چائے کے باغات میں اس کی پتیاں نوچنے کا منظر بہت حسین اور دلکش ہوتا ہو۔ جب بے شمار مزدور اس کی پتیاں نوچنے کے لئے پیٹھ پر بانس کی ٹوکریاں باندھے مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ کلیاں اور پہلے حصے کی کچھ پتیاں ہرگز نہیں توڑتے۔ دو تین ہفتے کے عرصہ بعد نئی پتیاں پودوں کے سروں پر نمودار ہوتی ہیں اور دوسری پرورش شدہ پتیاں نوچی جاتی ہیں۔ یہ کام تین چار مہینہ تک جاری رہتا ہے۔ آسام میں پتیاں نوچنے کا زمانہ مئی سے نومبر تک رہتا ہے۔ لنکا اور شمالی ہند کے پہاڑیوں پر جہاں موسم گرما اور سرما میں مانسون سے بارش ہوتی ہے یعنی جہاں ہر موسم میں بارش ہوتی ہے وہاں سال بھر پتیاں نوچی جاتی ہیں۔

جب چائے کی پتیوں کو توڑنے کا کام ختم ہو جاتا ہے تو اس کو فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے۔ چائے دو قسم کی تیار کی جاتی ہے یعنی سیاہ اور سبز۔ اگر سیاہ رنگ کی چائے بنانا ہو تو چائے کی پتیوں کو بڑے بڑے برتنوں میں پھیلا کر گرم کمروں میں بند کر دیا جاتا ہو۔ اس کے بعد ان کو رولنگ مشین پر سے گذارا جاتا ہو، پھر دوبارہ گرم کمروں میں پھیلا دیا جاتا ہے جس کو اندھیرے کمروں میں خشک کیا جاتا ہے۔

ان تمام منازل کو عبور کرنے کے بعد پتیاں سیاہ "مرغوب" کی شکل میں حاصل ہوتی ہیں جن کو لکڑی کے ڈبوں میں پیک کر دیا جاتا ہے جو چاروں طرف سے جست کے باریک چادروں سے گھرا ہوتا ہے جس سے چائے کا ذائقہ نہیں بگڑتا۔ یہ پیک شدہ ڈبے ملک کے چاروں طرف جہاں چائے کے مراکز ہوتے ہیں روانہ کر دیئے جاتے ہیں چائے کی زیادہ مقدار لندن روانہ کی جاتی ہے جہاں چائے کا عظیم بیوپار ہوتا ہے۔

سبز چائے تیار کرنے کے لئے چائے کی پتیوں کو بھاپ کے بجائے ہوا میں جوش دیتے ہیں۔ مغلیہ دور میں چائے کو خوشبودار اور لذیذ بنانے کے لئے اس میں چینی الائچی ملا کر جوش دیتے ہیں پھر کشمیریوں نے اس میں زیادتی برت کر اس میں دودھ کا اضافہ کر دیا۔ انڈونیشیا کی چائے میں دودھ نہیں ڈالا جاتا صرف شکر ڈالی جاتی ہے۔ ایران میں سیاہ گاڑھی اور کڑوی چائے شیشے کے گلاسوں میں ڈال کر پیتے ہیں، برما میں لوگ چائے کو بالٹی میں ڈال دیتے ہیں اور کئی مہینے اسے پانی میں رکھتے ہیں جب کوئی سخت کام کرنا ہو تو اس کے پتے نکال کر کھا لیتے ہیں جس سے نشہ سا ہو جاتا ہے۔ روسی چائے میں دودھ کے بجائے مربہ، شہد یا شکر ڈالتے ہیں اور اس میں لیمو کا رس یا شراب بھی ملائی جاتی ہو۔

چینی چائے میں جو کا آٹا مکھن ملا کر ڈالتے ہیں امریکہ میں گرمی کے موسم میں برف میں لگی ہوئی چائے پی جاتی ہے جس میں لیمو نچوڑا جاتا ہے، تبت میں چائے مکھن اور نمک سے تیار کی جاتی ہے یعنی چائے چھان کر اس میں نمک اور مکھن ملا دیا جاتا ہے۔

عرب ملک خشک چائے میں شکر ملا کر گلاسوں میں بھر دیتے ہیں۔

جدید کیمیاوی تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ چائے میں کیفین اور ٹینک ایسڈ کے اجزا کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لئے بہت مضر ہیں۔ بار بار پیاس لگنا، سستی اور تکان دور کرنا اس کی خصوصیات ہے۔ ان کا اثر رگوں پٹھوں میں تیزی سے عمل کرتا ہے۔ کیفین سے ٹینک ایسڈ بہت زیادہ مضر شے ہو۔ لعاب دہن جو غذا کو ہضم کرنے کے لئے ایک ضروری شے ہے اس پر بہت اثر ڈالتا ہے اور اس کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ جب یہ غذا سے مل جاتا ہے تو غذا کو بھی زہریلا بنا دیتا ہے اس طرح سے زہر کا اثر تمام جسم میں سرایت کرنے لگتا ہے لیکن اس کا اثر فوری طور پر عمل میں نہیں آتا بلکہ دھیرے دھیرے عمل کرتا ہے جس کا نتیجہ طویل عرصہ کے بعد نمودار ہوتا ہے جس کی قیمت بعد میں کافی ادا کرنی پڑتی ہے۔

چائے جوان، بڈھوں اور بچوں غرض ہر ایک کے لئے نقصان دہ چیز ہے بچوں کے لئے تو یہ تندرستی کی دشمن ہے ان کے نرم و نازک اعضا کو پروان چڑھنے میں ایک دیوار بن کر درمیان میں حائل ہو جاتی ہو۔

شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین مرحوم

(حکیم عبدالقوی دریابادی)

جس بات کا دھڑکا گذشتہ دو ہفتہ سے برابر لگا ہوا تھا وہ پنجشنبہ ۹ر اپریل کو پیش آ کر ہی رہا۔ لکھنؤ ہی نہیں سرزمین ہند کے نامور حاذق طبیب شفاء الملک حکیم حافظ خواجہ شمس الدین احمد جو کئی ماہ سے شدید علیل اور اب بالکل صاحب فراش تھے اس دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

فن طب کی انتہائی بدنصیبی کہ اس کے کاملین یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان کی خالی کی ہوئی جگہوں کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ ڈھائی سال کے مختصر عرصہ میں اس شہر کو جو بجا طور پر دلی کی طرح طب یونانی کا ایک مرکز اور مایوس العلاج مریضوں کی آخری امیدگاہ سمجھا جاتا تھا تین تین شفاء الملک صاحبان کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا سب سے پہلے شفاء الملک حکیم عبدالمعید صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد ان کے چھوٹے بھائی شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی نے داغ مفارقت دیا اور اب شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین کے سانحہ رحلت کے باعث صف ماتم بچھی نظر آ رہی ہے۔

مرحوم کا سن اسی سال کے قریب ہو گا لیکن ابھی چند ماہ قبل تک وہ اسی شہر لکھنؤ میں نہایت پابندی کے ساتھ روزآنہ صبح مطب کرتے تھے مطب میں انتہائی ہجوم رہتا تھا اور اس سے اندازہ ہوتا ہو کہ اب بھی طب یونانی پر لوگ کس قدر عقیدت رکھتے ہیں۔ سہ پہر کو روزآنہ مرحوم کئی میل پاپیادہ چلتے تھے۔ ابھی چند سال قبل تک ورزش بھی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ کھانے پینے میں حد درجہ محتاط رہتے تھے اور اس پرہیزگاری میں وہ بجا طور پر لاثانی سمجھے جاتے تھے مریضوں کا حال بڑی توجہ سے سنتے تھے اور نسخہ جو بالعموم چند اجزا ہی پر مشتمل ہوتا تھا بڑے بڑے امراض میں اکسیر ثابت ہوتا تھا شہر والے تو ان کے کمال فن کے گرویدہ اور حذاقت کے معتقد تھے ہی، باہر کے مریض بھی کثرت سے آتے اور ان آنے والوں میں کسی مذہب، ملت، ذات و طبقہ کی قید نہ تھی ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے مرحوم نے دو امریکیوں کا علاج بھی بڑے معرکہ کا کیا تھا اور ان کا پرانا اور پیچیدہ مرض جو ڈاکٹری علاج سے گھٹنے کے بجائے برابر بڑھ رہا تھا پرانے طرز کے اور فرسودہ قسم کے خیساندوں اور جوشاندوں کے ذریعہ دور کر کے ان سے طب یونانی کا لوہا منوا لیا تھا۔

مرحوم نے دارالعلوم واقع فرنگی محل کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں درسیات کی تکمیل کی تھی (امام العلماء مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی کے عزیز شاگرد ہی نہیں مخلص مرید بھی تھے۔ طب کی تکمیل لکھنؤ کی قدیم طبی درسگاہ تکمیل الطب کالج کی اور اس کے بہترین اور نامور ترین فرزندوں میں ان کا شمار تھا۔ برسوں مطب کے ساتھ طب کی درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا ان کے شاگرد اطبا ملک کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کا شمار صدہا سے تو یقیناً متجاوز ہو۔ باقاعدہ کتابی اور درس کا سلسلہ تو کچھ عرصہ سے مرحوم نے ختم کر دیا تھا مگر مطب کے ذریعہ نسخہ نویسی اور تشخیص مرض کا عملی درس آخری ایام کے قبل تک برابر جاری رہا۔ ایک زمانہ میں تکمیل الطب کے آخری درجوں کے طلبہ مطب کی عملی تعلیم حاصل کرنے ان کے مطب میں بلا ناغہ حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس خاکسار نے بھی فن طب کی سند حاصل کرنے کے بعد قانون شیخ کا حصہ معالجات مرحوم سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا اس وقت اسے اندازہ ہوا تھا کہ فن کی اس اونچی کتاب پر حکیم صاحب کو کتنا عبور حاصل ہے۔

مرحوم عربی فارسی و اردو کے تو خیر فاضل تھے ہی، انگریزی بھی سیکھ لی تھی اور اس کی تحریر و تقریر کی مشق اچھی خاصی بہم پہنچائی تھی۔ ایک زمانہ میں لکھنؤ میں ایک علمی ادارہ مسلم اکیڈیمی کے نام سے قائم ہوا تھا اس کے ایک اہم رکن حکیم صاحب بھی تھے ان کے وہاں دیئے ہوئے کم سے کم دو لکچر عربی طب اور فن خطابت، تقریباً بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے تھے ملک کے موقر رسائل و اخبارات میں بھی مختلف علمی ادبی موضوعوں پر مضمون لکھا کرتے تھے جن سے ان کی جدت طبع، جودت ذہن وسعت و تنوع مطالعہ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا معارف (اعظم گڑھ) کے سے بلند پایہ رسائل میں بھی ان کے متعدد مضامین نکلے تھے۔

لکھنؤ کے اہم اور سر برآوردہ شہریوں میں ان کا شمار تھا بہت سے علمی و ملی مجالس و اداروں کے اہم رکن آخر تک رہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء انجمن اصلاح المسلمین وغیرہ سے ان کا تعلق آخر تک قائم رہا ان کے عام اور انتظامی جلسوں میں بڑی پابندی سے شرکت کرنے والوں میں ممتاز بلکہ منفرد تھے جس محفل میں تشریف رکھتے اس پر چھا جاتے۔ گفتگو ہر موضوع پر اور بڑی قابلیت و خوش اسلوبی سے کرتے شاعری ہو یا فلسفہ، قدیم سیاسیات حاضرہ ہو یا قدیم تاریخ تقریباً ہر موضوع پر وہ یکساں گفتگو کرتے اور اپنی معلومات و مطالعہ سے دوسروں کو مستفید کرتے۔ حافظہ غضب کا تھا بکثرت اشعار یاد تھے۔ قرآن مجید کے تو باقاعدہ حافظ ہی تھے آخر زمانہ تک ماہ رمضان میں نماز تراویح میں کلام پاک سناتے رہے اس کے علاوہ بھی اس کا دور ناغہ جاری رکھتے تھے۔ دعاؤں اور وظائف سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور عمر کے آخری برسوں میں تو اپنے مریضوں کو دوا سے زیادہ دعا سے مستفیض و مستفید کرنے لگے تھے۔

ایک زمانہ میں اور اس کی مدت بیس سال سے کیا کم ہی ہو گی شہر کی میونسپل سیاسیات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے چوک کے حلقہ سے کئی بار میونسپل بورڈ کے ممبر کے فرائض انجام بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے دیئے۔ کتابوں اور رسائل و اخبارات کا مطالعہ خوب کرتے تھے طبیعت بڑی رسا پائی تھی اگر باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھتے تو بہت سی قابل قدر کتابوں کے مصنف بن سکتے تھے۔

بڑے وسیع الاخلاق تھے۔ مذہب کا رنگ شروع ہی سے غالب تھا آخر میں اور زیادہ گہرے قسم کے دیندار ہو گئے تھے لیکن اس کے باعث مزاج میں کسی قسم کی خشکی و یبوست ذرا بھی دخیل نہیں ہونے پائی تھی نظام اوقات کے بھی بڑے پابند اور اپنی مثال آپ تھے۔

سول ایجنسیاں
اودھ جنرل اسٹورس امین آباد لکھنؤ
ایس، ایم ظہیر اینڈ سنس چمن گنج کانپور

شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدّین (مرحوم)

از حکیم محمد مسیح الزماں ندوی پرنسپل تکمیل الطب کالج لکھنؤ

یہ درد ناک خبر نہ صرف طب یونانی کے لئے بلکہ سارے ملک کے لئے انتہائی مایوسی اور بیقراری کی ہے کہ آج طب یونانی کی آخری عظیم المرتبت شخصیت طب یونانی کے عظیم مرکز لکھنؤ میں رحلت پاگئی اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ شفاء الملک مرحوم طب یونانی کے آخری اور مایۂ ناز طبیب تھے ان کو علمی کمال اور اونچی فنی شہرت ملک کے کونے کونے اور گوشہ گوشہ میں اپنا لکر جائے ہوئے بھی ہزاروں مرضا، ہندوستان کے گوشے گوشے سے آتے اور مرحوم کی حذاقت سے فائدہ اٹھاکر صحت کامل کی خوش خبری لے کر جاتے۔

آج جب کہ طب یونانی کے اصولوں پر اور دیسی طریقہ علاج پر کام کرنے والے اور معالجہ کرنے والے کمیاب ہوتے جاتے ہیں۔ مرحوم کی ذات ایک رہنما کی سی تھی۔ اس زمانے میں جب کہ جدید دواؤں کے استعمال پر اطبا بھی عادی ہو گئے ہیں۔ مرحوم ہمیشہ طب یونانی ہی کی دواؤں کا استعمال اپنے نسخوں اور مطب میں کراتے رہے۔ تشخیص مرض، تجویز ادویہ، ترکیب نسخہ ہر چیز میں موصوف کی استادانہ مہارت، اہل علم اور اہل طب کے لئے منزلِ راہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

مرحوم نے طب یونانی سبقاً سبقاً تکمیل الطب کالج میں پڑھا اور شفاء الملک حکیم عبدالرشید مرحوم کے شاگرد رشید اور ان کے سچے جانشین تھے۔ خاندانی اعتبار سے اطباء جھوائی ٹولہ سے جو بھی تعلق موصوف کا رہا ہو لیکن ان کا کوئی عزیز ہی علم اٹھائے گا لیکن تکمیلی برادری کی حیثیت سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اطباء جھوائی ٹولہ کے بعد لکھنؤ طبی اسکول کا کسی نے بھرم رکھا تو وہ شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین صاحب تھے۔

موصوف ہمیشہ اپنے استادوں اور تکمیل الطب کالج کی شاندار روایات کے ماتحت مفردات ہی سے علاج فرماتے تھے اور شیخ الرئیس بو علی سینا کی مفردات قانون تو گویا موصوف کی نوک زبان پر تھی علمی تجربہ کا یہ عالم تھا کہ جس مرض کے متعلق پوچھئے اس مرض کا جواب دیتے ہوئے قانون شیخ کی عبارات سے اس کی تصدیق بھی کرتے جاتے تھے۔ موصوف تکمیل الطب کالج کے اساتذہ میں بھی تھے اور اس کی منیجنگ کمیٹی کے سرگرم رکن بھی تھے اور تکمیل الطب کالج کے لئے بڑا احساس اور درد بھی رکھتے تھے۔

بورڈ آف انڈین میڈیسن یو۔ پی کی ممبری، گورنمنٹ کی مختلف کمیٹیوں کی رکنیت، بڑی بڑی درسگاہوں کی ممتحنی۔ آپ کے لئے جب بھی پیش کی گئی تو باوجود انہماک اور وقت کی تنگی کے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے قبول کرتے رہے۔ ادھر چند سالوں سے ملک کے حالات اور طب یونانی کے خود غرض اور مفاد پرستوں سے مایوس ہوکر طبی سیاست طبی تعلیم حتیٰ کہ اپنے ادارہ علمی سے بھی علاحدگی اختیار فرمالی لیکن طبی نقصانات پر دلگیری اور طبی فوائد پر خوشی کا اظہار اب بھی ہوتا رہا۔

میرا موصوف سے اگرچہ استادی اور شاگردی کا رشتہ نہ تھا لیکن جب بھی ملاقات ہوتی تو طبی لعت اطا اپنے تجربات اور معلومات کے خزانے کے شہ پاروں سے میرے دامن کو مالا مال کردیتے اب سے چار برس پیشتر جواہر مہرہ کے نسخہ پے اور کئی دن تک گھنٹوں تک گفتگو کرتی ہو رہی تھیں۔ اور ہر ہر جز کے بالاؤ اعلیہ پر بحث حاصل گفتگو فرمائی اور بالآخر جواہر مہرہ کی اقسام ثلاثہ پر اتفاق رائے ہو ہی گیا۔ میں تو جب بھی موصوف سے ملتا یا ان کی محفل میں بیٹھتا تو ان کی سلسل اور مدلل گفتگو سے مبہوت ہو جاتا اور باوجود گھنٹوں گذر جانے کے میں درازیٔ وقت کی دعا ہی کرتا رہتا۔ اس حیثیت سے کہ میں تکمیل الطب کالج کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا اور پھر وہیں ایک خادم کی حیثیت سے خدمت بھی انجام دینے لگا تھا۔ موصوف مجھ پر بہت ہی کرم فرماتے اور ہمیشہ دامن شفقت میں جگہ دیتے۔

آج لکھنؤ کی مرکزیت ختم ہو گئی اور وہ لکھنؤ جو حکیم مسیح الدولہ سے لے کر آج تک طب یونانی کا ایک سدا بہار باغ تھا۔ اس کا آخری مالی بھی چل بسا اور اب لکھنؤ اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اس میں کوئی طبیب یا حکیم باقی نہیں رہا۔ شفاء الملک مرحوم اپنی شخصیت سے بذات خود لکھنؤ کی تہذیب اور تمدن کا ایک نمونہ تھے۔ شہر میں ان کی حیثیت بزرگانہ تھی۔ ہر کہہ و مہ کے لئے ان کے دل میں درد تھا۔ وہ یک جہتی کے علمبردار تھے اور ہمیشہ اس کا پرچار بھی کرتے رہے۔

لکھنؤ میں اپنے عہد کی یہ آخری شخصیت تھی جس کو موت کے ہاتھوں نے ہم سے جدا کردیا۔ اللّٰھم اغفرلہٗ

کوائف دار العلوم

محمد عبد السمیع ندوی

۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۹۷۱ء کو ندوۃ العلماء کے حلقے میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ پنجشنبہ بوقت فجر شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین صاحب طویل علالت کے بعد راہی دار البقا ہوئے موصوف بڑے ذی علم، صاحب ذوق، صحیح العقیدہ، عربی زبان و ادب کے فاضل تھے، فن طبابت میں مہارت تامہ حاصل تھی آپ کی حذاقت کا شہرہ دور دراز علاقوں سے مریضوں کے لئے کشش کا باعث بنتا تھا۔ موصوف ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے اہم رکن تھے۔ ساری عمر ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق و رابطہ رہا، اس کی ہر انتظامی اور ثقافتی مجلس میں روایتی وضعداری کے ساتھ شریک ہوتے تھے لکھنؤ کی قدیم تہذیب کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا نمونہ تھے عمر کے آخری حصہ میں حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تھا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف کو اپنا مجاز تعلیم بنا یا تھا۔

دار العلوم میں سانحہ کی اطلاع ملتے ہی تعطیل کی گئی اور مسجد دار العلوم میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے تقریر فرماتے ہوئے بڑے تاثر کے ساتھ مرحوم کے ندوۃ العلماء سے اس گہرے تعلق کو بیان فرمایا، اور دعاء مغفرت کی گئی۔

دوسرا سانحہ نواب سید علی حسن خاں صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء کے نواسے سید حبیب الحسن کا ہے جو قلبی دورہ کے بعد بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے اور چند ہی روز کے بعد اچانک انتقال فرمایا، نماز جنازہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے پڑھائی۔

کسی پچھلی اشاعت میں عجیبی دار العلوم کی عمارت کے سامنے والی زمین کے سلسلہ میں، سمجھا گیا تھا کہ حکومت نے اس زمین کے بڑے حصہ کو اکوائر کرلیا ہے جس کی وجہ سے اس عظیم درس گاہ کی عمارت کی موزونیت ختم ہو جائے گی اور تعلیم پر بھی اثر پڑے گا۔ جو سکون و اطمینان درس گاہوں سے سڑک کی دوری کی وجہ سے حضرات اساتذہ اور طلبہ کو حاصل ہے وہ سڑک کے قریب ہو جانے کی وجہ سے مفقود ہو جائے گا منتظمین اپنی سی تدابیر تو کر ہی رہے ہیں ناظرین سے بھی التدعا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں سے تقویت پہونچائیں۔ خدا کرے ہماری تدابیر کامیاب ہوں۔

مولانا محمد ہاشم صاحب راجستھان کے سفر پر تشریف لے گئے ہیں۔ حکیم فخر الدین صاحب اصلاح میر ٹھ مظفرنگر و میرٹھ کے دورہ پر ہیں ان حلقوں کے مخلص احباب سے بیش از بیش تعاون کی درخواست ہے۔

مستقل عنوان

ذرا یہ بھی سنئے!

محمد کلیم اللہ خاں

"ارے کہاں گئیں۔ میں نے کہا کیا لیسا ہوا نمک مرچ ہے" شوہر نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ جو لھے کے پاس سے بیوی نے جواب دیا" نہیں تو۔ یہ سویرے سویرے پسے ہوئے نمک مرچ کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

شوہر بولے ساگ والی چنے کا ساگ بیچ رہی تھی۔ دل چاہا کہ آج ساگ نمک مرچ کے ساتھ کھایا جائے"

"اوئی اتنی ٹھنڈ میں نہار منھ ساگ کھایا جائے گا۔ کیا آج کچھ دماغ چل گیا ہے" بیوی اٹھلاتی ہوئی بولیں۔ شوہر صاحب کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کا انداز تکلم تو دیکھا نہیں صرف بات سنی۔ اسلئے بھپرے ہوئے باہر نکلے اور بولے" میں تو پاگل نہیں ہوا ہوں تم ضرور سٹری ہو گئی ہو" بیوی کو بھی غصہ آگیا" مجھے سٹری وٹری مت کہنا ورنہ محلے سارے خاندان کو توم ڈالوں گی۔" اب شوہر کی باری تھی وہ گرجے" ایک بات بھی میرے گھر والوں کو کہی تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا"

"او ہو! میرے ذرا بھی ہاتھ لگایا تو میرے اماں ابا تمہارے ہاتھ پیر نہ توڑ ڈالیں گے" بیوی گرجیں۔ شوہر نے دانت پیستے ہوئے کہا" اپنے اماں ابا پر بہت کودتی ہو۔ یہ کیوں نہیں میکے والوں ہی کا تو ڈر ہے ورنہ اب تک تم چوٹی کاٹ کر گھر سے باہر نکال چکے ہوتے" یہ سن کر شوہر غصے سے بے قابو ہو گئے گرجتے ہوئے بولے "اچھا یہ بات ہے تو جاؤ میں نے تم کو طلاق دی، طلاق دی طلاق دی، جاؤ اپنے میکے والوں کے گھر میں جا بیٹھو" بیوی تو اچھا پھینکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے میکے جانے کی تیاری کرنے لگیں۔

اور چند دن بعد دونوں کا غصہ اتر گیا اور پھر وہ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔ کسی نے ان کو ٹوکا کہ تمہاری تو طلاق ہو گئی تھی دونوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ سچ مچ طلاق تھوڑی دی تھی غصہ میں کہہ دیا تھا۔ یہ لڑائی جھگڑا تو آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں۔

ایک دوسرا واقعہ

ایک صاحب گھبرائے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوئے اور صاحب سلامت کے بعد کہنے لگے۔ "میں آپ سے ایک مشورہ کرنے آیا ہوں" میں نے کہا" فرمایئے۔"

وہ بولے بات یہ ہے کہ آج تنخواہ لے کر گھر آیا تو دیکھا بیوی کا غصہ سے منھ پھولا ہوا ہے معلوم ہوا کہ ساس بہو میں کسی بات پر جھگڑا ہوا ہے، میں نے خوش کرنے کے لئے بیوی کی گود میں روپیہ کی گڈی ڈالدی اس نے روپیہ اٹھا کر دور پھینک دیئے اور بولی" اپنی اماں جان کو دو مجھے تمہاری کمائی نہیں چاہیے" میں نے معاملہ رفع دفع کرنے کے لئے کہا" اچھا یہ بتاؤ بازار سے کیا راشن آئے گا۔ جاکر لاؤں" وہ ترخ کر بولیں" میں کیا جانوں" میں نے پھر کہا" پھر کون جانے......" انھوں نے میرے منھ سے بات چھینتے ہوئے کہا" تم جانو تمہاری اماں جانیں" یہ سن کر مجھے بھی غصہ آگیا اور میں نے سخت لہجے میں کہا" ذرا زبان سنبھال کر بات کرو بہر پر چڑھتی آرہی ہو بیچاری" " میں کیا کھا کر سر پر چڑھوں گی۔ ہاں تمہاری اماں آج کچھ جینے کا ارمان ہے کہ میرے سینے پر سوار ہو گئی تھیں" وہ چیخیں" دیکھو بکواس بند کرو ورنہ مزاج ابھی درست کردوں گا" میں گرجا۔ اس نے لال لال دیدوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا" بڑے آئے کہیں مار خاں مزاج درست کرنے والے۔ منگا دو رکشہ اور مجھے میرے میکے پہونچا دو" یہ دھمکی سن کر میں آپے سے باہر ہو گیا اور دانت پیستے ہوئے بولا" اچھا یہ غرہ ہے تو جاؤ میکے مگر ہمیشہ کے لئے"

"کیا مطلب......" وہ چیخی" مطلب یہ کہ میں نے تم کو طلاق دی" میں غصے میں کانپتے ہوئے بولا۔ میرے یہ الفاظ سن کر میری ماں ننگے پیر کمرے سے بھاگتی ہوئی آئیں اور چلائیں" ارے بیٹے! تو نے تو غضب کر دیا۔ خبردار اب منھ سے طلاق کا لفظ نہ نکلے" مگر میں غصے میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ بھاگا بھاگا گیا اور قرآن شریف لے آیا۔ اور سر پر رکھتے ہوئے بولا" اماں قرآن پاک کو گواہ کرکے کہتا ہوں اس کمبخت عورت کو میں نے طلاق دی۔ طلاق دی طلاق دی"

میں غصہ میں برابر چلاتا رہا۔ ادھر ماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں اور ادھر بیوی پر دورہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں نے یہ کیفیت دیکھی تو غصہ کافور ہو گیا اور دونوں عورتوں کو روتا چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ذرا ہوش ٹھکانے ہوئے تو خیال آیا کہ کہیں طلاق تو نہیں ہو گئی۔ حالانکہ میں نے طلاق کے الفاظ طلاق دینے کے مقصد سے تو کہے نہیں تھے۔ غصہ میں میرے منھ سے نکل گئے تھے۔ مگر ذرا کہ قرآن کو گواہ بنا کر کہے ہیں۔ اس لئے آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔

میں نے کہا،

"اس میں مشورہ کی کیا بات ہے، جب آپ نے کہا تو طلاق ہو گئی آپ کو مفتی شہر سے لکھ کر مسئلہ دریافت کرنا چاہئے۔ وہ بولے" میں لکھ کر تو لے آیا ہوں، یہ دیکھئے"

میں تحریر دیکھ کر کانپ گیا تحریر یہ تھی۔

"زید کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہوا، اور غصے میں بار بار طلاق دینے کے الفاظ منھ سے دہرائے۔ اس کی طلاق دینے کی نیت ہرگز نہیں تھی۔ اس سے پہلے کئی دفعہ غصہ میں طلاق کے الفاظ زید نے اپنی بیوی سے کہے تھے مگر آج قرآن پاک کو گواہ بنا کر کہے ہیں"

یہ صرف دو واقعات نہیں آج مسلم معاشرہ میں جہالت اور دین کی ناواقفیت کی وجہ سے آئے دن ایسے واقعات پیش آرہے ہیں۔ نہ معلوم کتنے گھرانے ہیں جن میں معمولی معمولی جھگڑوں میں غصہ میں آکر طلاق دیدی جاتی ہے اور پھر یہ سمجھ کر کہ غصہ میں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، حرام تعلقات قائم رہتے ہیں۔ ان ہی اسباب کی بنا پر آج ہمارا معاشرہ ذلت و نخوت کا شکار ہو رہا ہے۔ ایک طرف ان حالات کے یہ جاہل عوام ذمہ دار ہیں تو دوسری طرف وہ خواص بھی ذمہ دار ہیں جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ بیٹھے ہیں اور محض انفرادی عبادت میں مشغول ہیں۔ کاش ہم حاملِ دعوت امت کے افراد ہونے کی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔

بقیہ حضرت شاہ ابو سعید

سے الجزدیہ پڑھی پھر طائف گئے اسکے بعد ہندوستان واپس ہوئے واپسی پر مدراس تشریف لے گئے وہاں ایک عرصہ قیام کیا رجوع عام ہوا۔ ۹ رمضان المبارک سنہ ۱۱۹۳ھ میں وطن میں وفات پائی اور مجھوتی باغ زیرہ محمد میاں ہوتیگر کا ہے خیال کی جانب دو کھیت کے فاصلہ پر ہے تدفین عمل میں آئی۔ مریدوں نے بعد میں روضہ بنوایا اور چار دیواری کھینچ دی، وہ مقبرہ شاہ ابو سعید کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کے خلفاء میں حسب ذیل اشخاص بہت مشہور ہیں۔ میر عبد السلام بدخشانی (۲) شیخ محمد رضا دہلوی (۳) مولانا جلال الدین بن محمد صدیق قطب (۴) عبد اللہ آفندی (۵) شیخ عبد اللطیف حسینی (۶) ... الدین کاکوردی (۷) شاہ عبد القادر خاص پوری

پہلی بی بی جناب بنت حضرت شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحبزادے سید ابو السعید صاحب ... دوسری بی بی بنت الحجازی سے ایک لڑکے سید محمد احسن پیدا ہوئے ——

الحجازی نام سید احمد بن ... حضرت شاہ علیم اللہ